دانش کدہ

دانشؔ فراہی

دانشؔ کے کلام میں روایت
کے صنم کدوں کا نور ہے اور ماضی کے
مقدس آتش خانوں کی آنچ بھی ہے۔ حسن
وعشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و
انتظار کے موضوعات بہت خوبصورت
انداز میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ مگر اسی
کے ساتھ ساتھ غزل کی رزا کاری سے
فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان ناہمواریوں کا
بھی تذکرہ کیا ہے جو ہمارے معاشرے
میں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ وہ غمِ
جاناں میں اتنا الجھے ہوئے نہیں ہیں کہ
زندگی اور سماج کے جو مسائل ہیں ان پر
ان کی نگاہ نہ جائے اور نہ ہی گرد و پیش کے
مسائل میں اتنا گرفتار ہیں کہ اپنے دل
کے داغوں کی بہار نہ دکھلا سکیں۔ جہاں
انھوں نے اخلاق و معارف کے تذکرے
چھیڑے ہیں وہیں روایت کا احترام، فنی
نزاکتوں پر نگاہ اور اخلاق و معارف کے
موضوعات بھی ان کی غزل میں ابھر کر
سامنے آئے ہیں۔

پروفیسر ملک زادہ منظور

دانش کدہ

دانشؔ فراہی

کتاب کا نام	:	دانشؔ کدہ
مصنف	:	دانشؔ فراہی
اشاعت	:	۲۰۱۵ء
ناشر	:	دانش فراہی
تعداد	:	۴۰۰
قیمت	:	۱۵۰ روپئے
کمپوزنگ	:	ندیم احمد (فراہی کمپیوٹرس)

ملنے کے پتے

- ریاض احمد فراہی، رام لیلا میدان، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا
- بدر بُک ڈپو، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی
- صغیر بُک ڈپو، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی
- محمد شاغل، A213/1، تیسری منزل، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
- ابوطلحہ اصلاحی، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Name of the Book	:	Dânish Kada
Poet	:	Dânish Farahi
Address	:	Ramleela Ground Saraimeer,Azamgarh, UP, India

یہ کتاب

اترپردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

اس کتاب

کے مندرجات سے اترپردیش اردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں

انتساب

اپنے بچوں

فہیم احمد

ڈاکٹر وسیم فراہی

ندیم ریاض

اور

نکہت جہاں

کے نام

فہرست

۱۔	فہرست	۵
۲۔	عرض ناشر	۱۱
۳۔	تبصرہ وتعارف: پروفیسر ملک زادہ منظور احمد	۱۳
۴۔	دانش فراہی اور ان کی شاعری: محمد عمیر الصدیق ندوی	۱۶
۵۔	حرفے چند: ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی	۲۲
۶۔	پیش لفظ: محمد عمر اسلم اصلاحی	۲۸
۷۔	گنبدِ خضرا کو میں نے جب تلک دیکھا نہ تھا	۳۱
۸۔	شادابیِ گلشن کبھی کم ہونے نہ دیں گے	۳۲
۹۔	تو ہی دل کا میرے سکون ہے تو ہی دل کا میرے قرار ہے	۳۳
۱۰۔	شیشے سے زیادہ نازک تھا یہ شیشۂ دل جو ٹوٹ گیا	۳۴
۱۱۔	لمحات زندگی میں کچھ ایسے بھی آئے ہیں	۳۵
۱۲۔	عیاں کیسا ہے غم روئے حسیں سے	۳۷
۱۳۔	یہ ہے انتظار مجھ کو میں ہوں آس یہ لگائے	۳۹
۱۴۔	نہ سوچیں اہلِ خرد مجھ کو آزمانے کو	۴۱
۱۵۔	حشر اک گذرا ہے ویرانے پہ گھر ہونے تک	۴۳
۱۶۔	جلوہ اپنے رخِ زیبا کا دکھانا ہوگا	۴۴

۱۷۔	مرے ہاتھ میں ان کی تصویر ہوگی	۴۵
۱۸۔	جو نہ کہنا تھا وہ بھی بیاں ہوگیا	۴۶
۱۹۔	دیکھو ذرا تاریخ کے اوراق کہن میں	۴۷
۲۰۔	کبھی جب ہم تمہاری زلف برہم دیکھ لیتے ہیں	۴۸
۲۱۔	حسیں موسم میں کوئی زلف بکھرائے تو کیا ہوگا	۴۹
۲۲۔	پردہ اپنے رخِ زیبا سے اٹھایا نہ کرو	۵۰
۲۳۔	چلو میکدے ہی میں کچھ بات ہوگی	۵۱
۲۴۔	بناؤں گا میں دلِ حزیں کو تمہاری یادوں کا آشیانہ	۵۲
۲۵۔	آج تک سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آئی	۵۳
۲۶۔	جب جب بھی یاد آئی ہے ان کے دیار کی	۵۴
۲۷۔	نہ وہ طائروں کا جمگھٹ نہ وہ شاخِ آشیانہ	۵۵
۲۸۔	کشتی کو لگاؤں میں کس طرح کنارے پر	۵۶
۲۹۔	جب بھی سوئے ہم کھلی چھت پر حسیں برسات میں	۵۷
۳۰۔	دعا ہماری کبھی با اثر نہیں ہوتی	۵۹
۳۱۔	یوں اشک محبت میں بہایا نہیں جاتا	۶۰
۳۲۔	لہولہان ہیں ہم اور جاں بلب بھی نہیں	۶۱
۳۳۔	کچھ اپنے دور کی بھی کہانی لکھا کرو	۶۳
۳۴۔	ایک لمحہ کے لیے آئے اور آ کر چل دیے	۶۵
۳۵۔	جب وہ کوئی بول ہے بولے	۶۶
۳۶۔	وہ گیت پیار کا جو سنا کر چلے گئے	۶۸
۳۷۔	جس گھر میں تعصب کی دیوار نظر آئی	۶۹
۳۸۔	آپ جو چاہیے وہ سزا دیجیے	۷۰
۳۹۔	تو نے ہاتھوں سے دامن چھڑایا اگر	۷۱

۴۰۔ سمجھا تھا جس کو ہے یہ مری زندگی کے ساتھ ۷۲
۴۱۔ سکون اس کو ملے گا کیوں کر اسے بھلا کیا قرار ہوگا ۷۳
۴۲۔ جسے ناز حسن پر ہے اسے کیوں کسی کا ہو غم ۷۴
۴۳۔ لوگ کہتے ہیں جس کو الفت ہے ۷۵
۴۴۔ ظلم ڈھائیں نہ ہچکچائیں آپ ۷۷
۴۵۔ ڈھائیں گے دل پہ یہ ستم دیکھو ۷۸
۴۶۔ نہ پایا چین نہ آیا کبھی قرار مجھے ۸۰
۴۷۔ مضطر وہ ہو گئے جو پڑی ان کے کان میں ۸۱
۴۸۔ کس قدر اضطراب ہے یارو ۸۲
۴۹۔ یوں دیکھنے میں لگتے ہیں وہ مہربان سے ۸۴
۵۰۔ میں ترے بغیر آخر کروں کس طرح گذارا ۸۶
۵۱۔ وہ جس پہ غم کا اثر نہ ہوگا ۸۷
۵۲۔ ہر سمت قتل گاہ کا منظر ہے آج بھی ۸۸
۵۳۔ نہ جانے کیسے مرا آج اس نے نام لیا ۹۰
۵۴۔ مجھ سے محبت ہے تم کو بھی چاہے لب پہ نہ لاؤ تم ۹۱
۵۵۔ محبت میں ایسی بلاؤں نے گھیرا ۹۲
۵۶۔ گھات لگائے بیٹھا ہے اب تیرے لیے باطل اے دوست ۹۴
۵۷۔ ساگر سے بھی گہرا نکلا ۹۶
۵۸۔ اک زمانہ ہوا زخم کھائے ہوئے ۹۸
۵۹۔ تجھ سے بچھڑے ہم تو اے دوست یاد آیا بہت ۹۹
۶۰۔ شیشے کے اس شہر کے سارے شہری ہیں پتھریلے ۱۰۰
۶۱۔ یہ کیسی ہوا آ گئی ناگہانی ۱۰۱
۶۲۔ برق گرنے لگی آسماں سے ۱۰۳

۶۳۔ جو خون ہر سمت بہہ رہا ہے کچھ اس کا تم پر اثر نہیں ہے ۱۰۴
۶۴۔ کل تک تو اخلاص محبت آتے تھے جتلانے لوگ ۱۰۵
۶۵۔ جو زلفوں سے تیری یہ آزاد ہوگا ۱۰۶
۶۶۔ کیا ہوئی ہے خطا یہ بتائیں ۱۰۷
۶۷۔ اس طرح حوصلہ ضبطِ غم کا زندگی بھر بڑھاتے رہیں گے ۱۰۹
۶۸۔ موجِ طوفاں ملی تیز دھارا ملا ۱۱۰
۶۹۔ دل تھا بے کیف محبت کی خطا سے پہلے ۱۱۱
۷۰۔ کل چمن تھا آج وہ صحرا ہوا ۱۱۲
۷۱۔ اودھ کی شام بنارس کی صبح تو کیا ہے ۱۱۴
۷۲۔ ہماری پُرسشِ غم کو وہ آ گئے ہوتے ۱۱۵
۷۳۔ اس وقت زمانے کا دستور نرالا ہے ۱۱۶
۷۴۔ دل میں بپا اک محشر ہے ۱۱۷
۷۵۔ دیکھ کر حالت مری جب آپ مضطر ہو گئے ۱۱۹
۷۶۔ چھوڑ دو اپنی یہ تانا شاہی ۱۲۰
۷۷۔ آ جائے راس کاش تری دوستی مجھے ۱۲۲
۷۸۔ جمال وحسن کا پیکر ہو آفتاب ہو تم ۱۲۴
۷۹۔ خون سے اپنے جلا کر اک دیا لیتے چلو ۱۲۶
۸۰۔ ستم کے بعد بھی باقی کرم کی آس تو ہے ۱۲۸
۸۱۔ سوز جو سینۂ بسمل میں نہاں ہوتا ہے ۱۳۰
۸۲۔ جب اپنے مسیحا کو نہیں کوئی دوا یاد ۱۳۲
۸۳۔ کیا بتاؤں دوست مجھ کو پیار میں کیسا لگا ۱۳۴
۸۴۔ کیا تم نے کہہ دیا دلِ خانہ خراب سے ۱۳۶
۸۵۔ ابھی ماضی میں جو ناداں تھے میرے گرد قصیدہ ۱۳۸

۸۶۔ تاریکیاں بھی نور دکھاتی ہیں آج کل ۱۴۰
۸۷۔ عجیب بات ہے کہتا ہے وہ برا مجھ کو ۱۴۲
۸۸۔ کر دیجیے اک بار کبھی ہم پہ نظر بھی ۱۴۴
۸۹۔ یہ سوچنا فضول ہے کہ کس کو کیا لگے ۱۴۶
۹۰۔ آئے تھے مرے شہر کو جب لوگ جلانے ۱۴۷
۹۱۔ آنے کے لیے کہہ کر وہ گئے شاید انھیں آنا یاد نہیں ۱۴۹
۹۲۔ چند لمحوں تک نہ سمجھو میں رہوں گا منتظر ۱۵۱
۹۳۔ مجھ سے کبھی نہ اس نے کی تھی اتنی بات اکیلے میں ۱۵۳
۹۴۔ لاکھ پردے میں چھپا کر رکھ تو اپنے کو مگر ۱۵۵
۹۵۔ اکثر کرم وہ کرتے ہیں ہم پر جفا کے بعد ۱۵۷
۹۶۔ کہیں بیٹھا ہے کیا راہوں میں رہزن ۱۵۹
۹۷۔ بزعمِ خود وہ اپنے کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں ۱۶۱
۹۸۔ سنا ہے ہاتھ میں اس کے بھی جام ہے شاید ۱۶۳
۹۹۔ تیرے مے خانے میں گل کیسا کھلا ہے ساقی ۱۶۵
۱۰۰۔ دیکھا یہ حق کی راہ میں آ کر کبھی کبھی ۱۶۷
۱۰۱۔ جنوں کو ذرا مسکرا لینے دیجے ۱۶۹
۱۰۲۔ یہ ثابت ہو کیسے بھلا بے گناہی ۱۷۱
۱۰۳۔ چمن کو تو خود ہی جلاتے ہو ناصح ۱۷۲
۱۰۴۔ کوئی اور مجھ سے بیاں اب نہ لیجے ۱۷۳
۱۰۵۔ تری نظر سے جو چھلکے گلاب ہو جائے ۱۷۴
۱۰۶۔ ہمیشہ حق کی رہتی ہے اسی چہرے پہ تابانی ۱۷۶
۱۰۷۔ گذرتی جا رہی ہے جیسے شب آہستہ آہستہ ۱۷۸
۱۰۸۔ گو دل کا اپنے حال بیاں کرتے ہم نہیں ۱۸۰

۱۰۹۔ جب چلا گھر کو جلانے وہ مرے ۱۸۲
۱۱۰۔ دشمن بنی ہوئی جو مرے آشیاں کی ہے ۱۸۳
۱۱۱۔ ہم نے تمام عمر اسی کا بھلا کیا ۱۸۵
۱۱۲۔ بندھ کے ہر آس مری ٹوٹ گئی ہے یارو ۱۸۷
۱۱۳۔ جب بھی کوئی نصاب آئے گا ۱۸۸
۱۱۴۔ ذرا دیکھے تو کوئی آ کے منظرِ آتشِ غم کا ۱۹۰
۱۱۵۔ شاید کہ انھیں یاد مری آئی ہوئی ہے ۱۹۱
۱۱۶۔ نظامِ مے کدہ بدلے گا اے پیرِ مغاں کب تک ۱۹۲
۱۱۷۔ نویدِ صبح سناؤ بہت اندھیرا ہے ۱۹۴
۱۱۸۔ ہوا بھی نہ چھو پائی زلفوں کو تیری ۱۹۵
۱۱۹۔ مرے اشعار میں اک حسنِ تابش یوں بھی ہے یوں بھی ۱۹۶
۱۲۰۔ دنیا کی ہر کٹھنائی کو جھیلے سب ہیں ہم دونوں ۱۹۸
۱۲۱۔ میں دردِ محبت سے اکثر بے تابی میں جب روتا ہوں ۱۹۹
۱۲۲۔ زعم میں جو اپنے وہ بدگماں رہا مجھ سے ۲۰۰
۱۲۳۔ یہ حوصلہ ہے شبِ غم میں مسکرائیں گے ۲۰۱
۱۲۴۔ یہ تعصب کے شعلے بجھا دیجیے ۲۰۲
۱۲۵۔ قطعات و متفرقات ۲۰۳
۱۲۶۔ نذرانۂ عقیدت جمیلہ ریاض بنت اختر مسلمی ۲۰۸
۱۲۷۔ پسماندگانِ اخترؔ مسلمی کے نام ۲۱۲
۱۲۸۔ استاد اخترؔ مسلمی کی یاد میں مرثیہ ۲۱۴
۱۲۹۔ جشنِ جمہوریہ ۲۱۶

عرض ناشر

دانش فراہی

زبان وادب کی حیثیت آفاقی ہوتی ہے اسے کسی مخصوص فرقے یا سرحد تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ زبان کی ترویج وترقی میں حکومت کا اہم رول ہوتا ہے لیکن اسے زندہ رکھنے اور دوام بخشنے کا کام صرف اس سے سچی محبت کرنے اور اسے دل سے عزیز رکھنے والا ہی کرسکتا ہے۔ یہی بات اردو زبان پر بھی صادق آتی ہے، آج بھی ایسے بے شمار شعراء وادباء ہیں جو اس زبان کی بے لوث خدمت کررہے ہیں۔ محدود مواقع اور محدود وسائل کے باوجود اردو زبان کے ان غازیوں نے شہر کی چکا چوندھ اور ہنگامہ خیز زندگی سے دور آباد بستیوں میں اردو کی مشعل روشن کررکھی ہے۔

مجموعہ کلام (دانش کدہ) انھیں کوششوں کی ایک کڑی ہے۔ اس کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ قارئین کی نظر سے گذرے اور اس پر صحت مند بحث ومباحثہ ہو کیوں کہ زبان کی ترقی وفروغ کا واحد راستہ یہی ہے۔

خطۂ اعظم گڈھ علم و ادب کا گہوارہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ، ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ، اقبال احمد خان سہیل، خلیل

الرحمٰن اعظمی، کیفی اعظمی، شمیم کرہانی اور اختر مسلمی جیسی عبقری شخصیات پیدا ہوئی ہیں، جنھوں نے اپنے منفرد انداز سے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی اپنی شہرت کے پرچم بلند کیے۔ ان قدآور علمی و ادبی شخصیات کے فن پاروں کی موجودگی میں قارئین کی توقعات بڑھ جاتی ہیں اور وہ ہر ادبی تخلیق کو انھیں کسوٹیوں پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہر ادیب کا اپنا سماجی، معاشی و سیاسی پس منظر ہوتا ہے جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ چیزیں غیر شعوری طور پر بھی اس کی تخلیقات میں در آتی ہیں۔ ادیب کا اپنا طرزِ بیاں بھی اس کی تخلیق کو دوسرے سے الگ شناخت دلاتا ہے۔

ہم ان تمام ادباء اور اسکالرس کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اپنے تاثرات کے ذریعہ دانش کدہ کی افادیت کو اجاگر کیا۔ ناسپاسی ہوگی اگر ہم خاور صدیقی اور مولانا شکیل احمد اصلاحی کا ذکر نہ کریں۔ میں اپنے صاحب زادے ندیم ریاض فراہی کا ذکر اس لیے کررہا ہوں کہ یہ مجموعہ دانش کدہ چھپ کر قارئین تک جو پہنچ رہا ہے یہ انھیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

توقع ہے کہ قارئین میری اس ادنیٰ سی کوشش کو موجودہ حقائق کی روشنی میں جانچیں اور پرکھیں گے اور غزل کا یہ مجموعہ (دانش کدہ) شاعری اور خاص طور سے صنف غزل کے طے شدہ معیار پر کس حد تک کھرا اتر رہا ہے، اپنی بیش قیمتی آراء سے ضرور باخبر کریں گے۔

ریاض احمد دانشؔ فراہی
پھریہا، اعظم گڈھ

تبصرہ وتعارف

پروفیسر ملک زادہ منظور

اس بات پر اختلاف رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ دورِ حاضر میں اردو غزل نئی جہتوں اور نئے امکانات سے آشنا ہوچکی ہے،مگر اس سے بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ جدید اردو غزل کا تاج محل جن بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے وہ فکری اور فنی سطح پر وہی ہیں جن کی داغ بیل ہمارے بزرگوں نے رکھی تھی۔حسن وعشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و انتظار کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کی جو ناہمواریاں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں ان کی ترجمانی بھی غزل کا شیوہ رہی۔اعظم گڈھ شعر و ادب کے حوالے سے شبلی نعمانی، اقبال سہیل، خلیل الرحمٰن اعظمی، شمیم کرہانی، کیفی اعظمی اور اختر مسلمی وغیرہ کی ادبی وشعری خدمات کے باعث ایک جانا پہچانا ادبی مرکز رہا ہے،مگر شعر و ادب کا وہ سلسلہ جو ماضی میں شروع ہوا تھا وہ آج بھی جاری وساری ہے۔خوش فکر شعراء کرام ضلع کے مختلف علاقوں میں فکر وفن کا چراغ جلائے ہوئے ہیں جن سے بہت ہی خوبصورت روشنی پھیل رہی ہے۔

جناب دانش فراہی اعظم گڈھ سے متصل ایک قریبی موضع پھریہا کے

رہنے والے ہیں جو مولانا حمید الدین فراہیؒ کی جانی پہچانی دینی شخصیت کے باعث معروف علاقہ بن گیا اسی سے متصل سرائے میر بھی ہے جہاں مختلف ادوار میں خوش فکر شعراء کرام نے فکر وفن کے چراغ کو ہر دور میں جلائے رکھا۔انھیں میں زیرِ نظر مجموعۂ کلام کے خالق دانش فراہی بھی ہیں جنھیں اختر مسلمی سے شرف تلمذ حاصل ہے اور جن کے کئی مجموعائے کرام شائع ہوکر منظرِ عام پر آچکے ہیں جنھیں اہلِ نظر نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور سراہا۔دانش کے کلام میں روایت کے صنم کدوں کا نور ہے اور ماضی کے مقدس آتش خانوں کی آنچ بھی ہے۔حسن وعشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و انتظار کے موضوعات بہت خوبصورت انداز میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔مگر اسی کے ساتھ ساتھ غزل کی رزا کاری سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان ناہمواریوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ وہ غمِ جاناں میں اتنا الجھے ہوئے نہیں ہیں کہ زندگی اور سماج کے جو مسائل ہیں ان پر ان کی نگاہ نہ جائے اور نہ ہی گرد و پیش کے مسائل میں اتنا گرفتار ہیں کہ اپنے دل کے داغوں کی بہار نہ دکھلاسکیں۔ جہاں انھوں نے اخلاق و معارف کے تذکرے چھیڑے ہیں وہیں روایت کا احترام،فنی نزاکتوں پر نگاہ اور اخلاق و معارف کے موضوعات بھی ان کی غزل میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اردو غزل نئی جہتوں اور نئے امکانات سے آشنا ہوچکی ہے اور اس کے پیچھے وہ ذہن انسانی کارفرما ہے جو چاند ستاروں پر اپنی کمندیں ڈال چکا ہے۔مگر جن بنیادوں پر غزل کا تاج محل کھڑا ہے وہ وہی مقبول عام رویہ ہے جن سے دانش فراہی نے اپنی بنیادیں تعمیر کی ہیں۔اخلاق و معارف

کے موضوعات بھی ان کے یہاں ملتے ہیں جو انسانیت کے لیے ہر دور میں مشعلِ راہ رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کا کلام شائع ہوکر منظرِ عام پر آرہا ہے۔ اپنی علالت کے باعث میں نے یہ چند سطریں بول کر لکھوا دی ہیں مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ غزل کے شائقین میں ان کی یہ کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد

سیمانت نگر، کنچن بہاری مارگ
کلیان پور، لکھنؤ

دانشؔ فراہی اور ان کی شاعری

محمد عمیر الصدیق ندوی

دانشؔ کی بات ہو اور فراہی کی نسبت ہو تو ذہن و دل یوں ہی رعب و عظمت کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین نے پھریہا کی نسبت فراہی کو تقدس عطا کیا تو شاعر حمید الدین نے فراہی نسبت کو عربی و فارسی شاعری میں حرمت بخشی۔ ادبیات فارسی پر مولانا فراہی کے تفوق کے معترف علامہ شبلی ہوئے تو مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کو فارسی کا بلبل شیراز کہہ کر اعجاز کے اعجاز کی جلوہ نمائی کردی۔

دانشؔ فراہی اور ان کے مجموعہ اشعار کی گفتگو میں مولانا فراہی کا ذکر اس لیے بے محل نہیں کہ خاک کی اپنی تاثیر ہوتی ہے اور جب فیضانِ تجلی کسی خطہ پر مہربان ہو تو پھر کون جانے کون سا ذرہ چمک اٹھے۔ پھریہا کے مطلع سے ایک نیر اعظم اٹھا سب نے دیکھا اس نیر اعظم تاباں کی درخشانی بھی سب دیکھیں، اس کے لیے قدرت نے دانش فراہی کا انتخاب کیا اور تہذیب و ثقافت کے تسلسل کی نشانی کے طور پر روایت کی ضرورت اور اہمیت کا سبق بھی یاد دلایا کہ اشخاص ہوں،

آبادیاں ہوں، ادارے ہوں ان میں حرکت وحرارت اسی روایت کے طفیل ہے۔

دانش فراہی کی عمرابھی ایسی نہیں کہ ان کی شاعری اساتذہ کے کلام کی روشنی میں دیکھی اور پرکھی جائے، شاعری اگر قادر الکلامی، پختہ مشقی اور پرگوئی سے عبارت ہے تو ہوسکتا ہے ان اوصاف کی کہیں کمی نظر آئے لیکن اگر یہ جذبہ وتخیل شعور واحساس کی پاکیزگی اور بالیدگی اور شعر کہنے کی ضرورت اور مقصد سے ہم آہنگ ہے تو تازہ اور نو وارد شاعر اپنی جانب نظر اور توجہ مبذول کرانے میں کامیاب ہے۔

اردو شاعری میں روایت کی پاسداری اور روایت سے بیزاری دونوں کا ظہور ہوا، اب کس کو عروج ہوا اور کون غروب ہوا زمانے نے اس کا فیصلہ ایسا کیا کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ دانش فراہی کی خوش نصیبی ہے کہ ان کی متاع میں روایت کے ساتھ وراثت کی دولت بھی ہے۔ اعظم گڑھ ماضی قریب میں اختر مسلمی کے فکر وفن اور ان کے مسحور کن ترنم سے سرشار تھا، وہ تغزل کے مزاج شناس اور مزاج داں تھے، صاف ستھرا واضح اور کھلا ذوق، تخیل کی بلند پروازی، زبان کی لطافت، بیان کی سلاست یہ ان کے کلام کی ایسی خوبیاں تھیں کہ بڑے بڑے نکتہ دانوں نے اعتراف کیا، جناب دانش فراہی کو وراثت میں یہ خوبیاں حاصل ہوئیں انھوں نے اسی مجموعہ کلام میں کہیں اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

اس مجموعہ میں غالب ترین حصہ غزلوں کا ہے، متعدد تو وہ ہیں جو کسی مصرعہ طرح پر کہی گئیں، ان سے شاعر کی مشاقی اور بحر خیالی میں خود اپنی موجوں کے اچھال کو ظاہر کرتی ہیں۔ غزل کے ظاہری یا لغوی معنی یا تشریح کا پابند نہ ہوا

جائے تو مجاز کے پردے میں حقیقت سے گفتگو ان غزلوں کی جان ہے۔ داخلیت اور خارجیت، نئی فکر کی اصطلاحیں ہیں۔ سچائی تو بس یہی ہے کہ دل کی کائنات کے تمام محسوسات کا اظہار خارج کی دنیا سے ہم آہنگ ہوئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ مشاہدۂ حق کی گفتگو بادہ وساغر کے بغیر بامعنی و بااثر ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی اس مجموعہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ شعر کا اثر قاری اور سامع کی صلاحیت قبول پر موقوف ہے، لیکن بعض شعر خود نگاہ و دل سے کچھ دیر ہی کے لیے سہی رکنے پر مجبور کردیتے ہیں۔

پوچھ لے آ کے حالِ دل میرا
اس زمانے میں کس کو فرصت ہے

....

گلستاں بھی تو جائے اماں اب نہیں
اب تو صیاد خود باغباں ہوگیا

....

جو کل خواب دیکھا تھا میں نے خوشی کا
خدا جانے کیا اس کی تعبیر ہوگی

....

دو اشک محبت کے گرنے بھی نہیں پائے
افسانہ بنا ڈالا افسانہ نگاروں نے

....

واللہ بڑی شے ہے تنکے کا سہارا بھی
اک آس بندھا دی ہے پلکوں کے اشاروں نے

....

میں کیا بتاؤں ترے غم میں کیا گزرتی ہے
وہ کون لمحہ ہے جب آنکھ تر نہیں ہوتی

....

یہ راز محبت بھی عجب راز ہے یارو
ہم لاکھ چھپاتے ہیں چھپایا نہیں جاتا

....

شاید آجائے بیمارِ غم ہوش میں
آپ دامن کی اپنے ہوا دیجیے

....

ترے جانے کی کیوں کریں پروا
دل ہمارا اگر سلامت ہے

....

مری تباہی کو کافی ہے اک نگاہ کرم
نہ دیکھ چشمِ غضب سے تو بار بار مجھے

....

دور خزاں بھی دل سے فراموش ہوگیا
اب کے برس بہار نے وہ گل کھلائے ہیں

....

ان کا مقام کم نہیں لات و منات سے
لوگوں نے خواہشات کے جو بُت بنائے ہیں

صاف ہے کہ غم جاناں اور غم دوراں دونوں بہم ہیں۔ شاعر کی اپنی دنیا باہر کی دنیا سے الگ نہیں اس کو اپنے احساسات کے بارے میں یقین ہے کہ وہ سچ کی زمین سے ابھرے ہیں اس لیے ان کو خار وخس سمجھنا صداقت کو ٹھیس پہنچانا ہے ۔

دل مرا صاف آئینہ کی طرح
ایک سادہ کتاب ہے یارو

اس کے بعد یہ انداز کیا نرالا اور تیکھا ہے ۔

میں ہوں ناکام عشق میں لیکن
کیا کوئی کامیاب ہے یارو

واردات قلب کا عالم یہ ہے کہ ۔

مت پوچھو کیا دل پر گذری
چہرہ اترا دیکھا اس کا

غزلوں پر غزلیں ہیں، کچھ طویل بحر میں اور کچھ اس کے برعکس۔ چھوٹی بحروں میں زیادہ روانی اور سلاست ہے غالباً اسی لیے ان کی تاثیر بھی زیادہ ہے۔
پہلے عرض کیا گیا کہ شاعر کی عمر کچھ زیادہ نہیں غالباً یہ ان کی پہلی پیش کش

ہے،لیکن یہ دادطلب ضرور ہے اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکیزگی خیال کی یہ شاعری مستقبل میں زیادہ پختہ، زیادہ خوش رنگ اور زیادہ نفع بخش ہوکر روایت و وراثت کا زیادہ عمدہ نمونہ اور اردو کے سرمایہ میں ایک خوش گوار اضافہ ہوگی۔ اس لیےاس دانش کدہ کی سیر ضروری ہے۔

محمد عمیر الصدیق ندوی
دارالمصنفین ،اعظم گڑھ

حرفِ چند

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی

دانش فراہی دراصل سرزمین اعظم گڑھ کے ابھرتے ہوئے قادر الکلام شاعر اور استاد الاساتذہ اخترؔ مسلمیؒ کے بھتیجے اور شاگرد ہیں۔ اخترؔ مسلمی کا مجموعۂ کلام ماضی قریب میں کلیاتِ اخترؔ مسلمی کے نام سے شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکا ہے، جسے ان کے نواسے فہیم احمد نے 'نام نیک رفتگاں ضائع مکن' کے پیش نظر مرتب کر کے اربابِ نظر کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

دانش فراہی کا فنی ذوق بہت بلند ہے۔ ان کے شعری مجموعہ 'دانشکدہ' میں ایک نظم 'جشن جمہوریہ' ایک مرثیہ بیاد اخترؔ مسلمی مرحوم، کے علاوہ کم وبیش سو غزلیں اور چند قطعات شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ''دانش کدہ'' اسم بامسمیٰ ہے، کیوں کہ اس میں شاعری کی وساطت سے عشق و محبت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی مسائل بھی بڑی خوبی سے اجاگر کیے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں شاعر کا مزاج غزلیانہ ہے اور انھوں نے روایتی غزل کا بھرپور لحاظ رکھا ہے، ان کے اندر نظم گوئی کی بھی بھرپور صلاحیت موجود ہے، یہ اور بات ہے کہ مشقِ سخن کے لیے موصوف

نے غزل کا انتخاب بطورِ خاص کیا ہے۔

اردو کے ایک نامور نقاد نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہہ کر اسے خراج پیش کیا ہے۔ اردو کے ایک اور مشہور ناقد نے اسے نیم وحشی صنف سخن قرار دیا ہے، جو دراصل ناقد کی غلط اور منفی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔ بہرحال یہ دو انتہائیں ہیں۔ میرے نزدیک نرم دلنشیں الفاظ، سچے اور گہرے دلی جذبات، ذاتی غم کو کائنات کا غم بنا دینے کا انداز اور سلیس زبان کے استعمال کا نام غزل ہے۔ یہ سب خصوصیات ایسے افراد کے رنگ و آہنگ کی نشاندہی بھی کرتی ہیں جو سچا شاعر ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دانش فراہی ایسے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جو ان کے ذہن و دماغ اور واردات قلب کا صحیح عکس ہے۔ ان کے کلام میں اتنی سادگی ہے، جیسے ہم اپنی ہی بات کر رہے ہوں۔

دانش فراہی کا یہ اولین مجموعۂ کلام رومانیت سے عبارت ہے، جس میں حسن و عشق کی کسک اور معاملات کو بڑے خوبصورت انداز میں جزو شاعری بنایا گیا ہے۔ رومانی شاعری کے شائقین کے لیے یہ مجموعہ یقیناً ارمغان ثابت ہوگا۔ چند مثالیں پیش ہیں:

یہی راز محبت ہے جو سمجھے
کہ ہاں ظاہر ہے ان کے اس نہیں سے

....

مہ و انجمِ درخشاں سبھی ہوگئے فسردہ
تو کہاں نکل پڑا ہے یہ نقابِ رخ اٹھائے

وارداتِ قلب بیان کرتے وقت رمزیت و اشاریت نیز استعارے کا نیا انداز اور پھر منظرکشی دانشؔ کے کلام میں بھرپور رعنائیاں بکھیر رہے ہیں ؎

واللہ بڑی شے ہے تنکے کا سہارا بھی
اک آس بندھا دی ہے پلکوں کے اشاروں نے

....

جب بھی سوئے ہم کھلی چھت پر حسیں برسات میں
درد لے کر سیکڑوں یادیں اٹھیں برسات میں

دانش فراہی کی شاعری میں احساسِ ذات اور دردِ دانا پورے کمال و جمال کے ساتھ موجود ہے:

تو مجھے تباہ کردے تو مرا نشاں مٹا دے
نہ کروں گا میں گوارہ مگر اپنا سر جھکانا

انھوں نے چہرے کی تابانی کو حق گوئی و بیباکی کا استعارہ قرار دیا ہے ؎

ہمیشہ حق کی رہتی ہے اسی چہرے پہ تابانی
کبھی جھکتی نہیں ہے غیر کے آگے جو پیشانی

دانشؔ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ حسب ذیل اشعار سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جسے آج کے سیاسی تناظر میں موزوں کیا گیا ہے ؎

اسیر کر کے قفس میں مجھے یہ حیرت ہے
وہ کہہ رہے ہیں مجھی سے چمن بچانے کو

سلوک اہل چمن سے یہ باغباں نے کیا
قفس سمجھنے لگے ہیں سب آشیانے کو

....

قسمت میں ہے جب قید قفس ہی تو ہم نشیں
اب داستاں نہ چھیڑ تو فصل بہار کی

....

قفس کے ٹوٹنے کے بعد تو آزاد ہیں ہم بھی
چمن میں کیوں کرے دانش تمہاری کوئی نگرانی

اس شعر میں جس معنیٰ خیز انداز میں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا کوئی جواب نہیں، کیوں کہ ملک کی اقلیت صبحِ آزادی طلوع ہوتے ہی غیر محفوظ ہوگئی اور یہاں کا منظر نامہ تبدیل ہونا تو درکنار، اور ابتر ہوتا جارہا ہے۔

زاہد و ناصح کے ساتھ زندگی کی کشمکش بھی ان کے کلام میں موجود ہے ؎

کیا فرشتہ صفت آیا ہے کوئی آج یہاں
حشر میخانے میں جو اتنا بپا ہے ساقی

....

نظر اپنے دامن پہ جاتی نہیں ہے
مرا دامنِ تر دکھاتے ہو ناصح

واقعۂ معراج کی طرف لطیف اشارہ ؎

وہاں سے جا کے واپس آ چکے ہیں ہم بہت پہلے
جہاں پر آج تک پہنچی نہیں ہے فکرِ انسانی

اپنے استاد اخترؔ مسلمی مرحوم کی رحلت پر جو مرثیہ لکھا ہے اس سے ان کے داخلی کرب کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ؎

اہلِ سرائے میر ہیں مغموم کس لیے
جو اس کا اصل گھر تھا اسی گھر چلا گیا

دار الفنا سے دار البقا کے سفر کو اس سے بہتر انداز میں کیسے پیش کیا جا سکتا تھا۔

خدا ترس انسان عمر کے آخری پڑاؤ پر بالعموم رجوع الی اللہ ہو جاتا ہے، وہ اپنی خطاؤں پر نادم اور رحمتِ الٰہی کا ملتجی ہو جاتا ہے۔ اس کے پندار کا بت چکنا چور ہو جاتا ہے تاہم یہ کیفیت ان خوش نصیبوں کی ہوتی ہے جو اللہ کے رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ عرفانِ محبت ہر ایک کا مقدر نہیں ہوتا۔

ایک شعر میں اخترؔ مسلمی مرحوم کے گریہ و زاری کا منظر انتہائی فطری اور سادہ انداز میں پیش کیا ہے ؎

دربار ایزدی میں جھکا کر سرِ نیاز
دیکھا ہے میں نے روتے تھے اخترؔ کبھی کبھی

اس امر کے وضاحت کی ضرورت نہیں کہ دو قطرے اللہ رب العزت کو بے حد عزیز ہیں، ایک وہ قطرۂ خوں جو اللہ کے راستے میں نکلے، دوسرے وہ قطرۂ اشک جو خشیتِ الٰہی میں نکلا ہو۔ اس سے دانشؔ کے وسعتِ مطالعہ اور دینی شعور کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حسب ذیل اشعار ان کی فنی عظمتوں کے غماز ہیں، یہ خود ستائی ہی نہیں تحدیثِ نعمت بھی ہے ۔

یوں تو سارے شہر میں ہے دھوم میرے فن کی آج
دیکھیے کیا گل کھلاتا ہے مرا رنگِ ہنر

....

شہرِ سخن میں دوستو دانشؔ کو دیکھیے
ملتے ہیں ایسے قیمتی گوہر کبھی کبھی

امید کہ ''دانشکدہ'' کی ارباب علم و دانش کے حلقوں میں بھرپور پذیرائی ہوگی نیز اس ہونہار شاعر کا ذہن وقلم اسی طرح خوب سے خوب تر کی جستجو میں پیش رفت جاری رکھے گا اور اردو کے شعری ادب میں گراں قدر اضافہ کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی
نئی دہلی
۷راپریل، ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

محمد عمر اسلم اصلاحی

شاعری کا تعلق شعور سے ہے۔ جس کا شعور پختہ نہ ہو وہ تک بندیاں تو کرسکتا ہے، مشاعروں میں واہ واہی بھی لوٹ سکتا ہے لیکن شاعر نہیں ہوسکتا، اور جس کا شعور پختہ ہو وہ تعلیمی ڈگریوں سے محرومی کے باوجود شاعر ہوسکتا ہے۔ بس اسے اپنے شعور کو کام میں لانے اور اپنے خیالات کو موزوں الفاظ کے سانچے میں خوبصورتی کے ساتھ ڈھال دینے کا ہنر آنا چاہیے۔ یہ ہنر ذوق کا طالب اور شوق و توجہ کا متقاضی ہے۔ ذوق ہو تو شوق پیدا ہوجاتا ہے اور شوق ہو تو توجہ خود بخود ہوجاتی ہے۔ جناب ریاض احمد دانشؔ فراہی کے اندر شعراء کے کلام کا مطالعہ وتتبع کے نتیجہ میں ذوق نوعمری ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ اس لیے وقت گذرنے کے ساتھ ان کے اندر اپنے خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کا شوق بھی انگڑائی لینے لگا۔ لیکن اس کی جانب باقاعدہ توجہ غالباً اس وقت ہوئی جب ایک مستند اور استاد شاعر نے اپنے بھتیجے دانشؔ فراہی کی طرف توجہ کی یعنی ''اخترؔ مسلمی''۔ اخترؔ مسلمی مرحوم نے ان کا حوصلہ بڑھایا، ان کے اشعار کی اصلاح کی اور ان کو ایک خاص

رخ دیا۔اس طرح ان میں نکھار بھی آیا اور خود اعتمادی بھی پیدا ہوئی۔

دانش فراہی کی اصل جولان گاہ غزل کی دنیا ہے۔تغزل ان کی شناخت ہے لیکن ان کا محبوب غزل کے تمام شعراء کی طرح کوئی خیالی محبوب نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔ان کی شاعری کا مرکز ومحور ان کی شریکِ حیات ہیں۔اس لیے ان کے خیالات میں پاکیزگی، جذبات میں تقدس، احساسات میں خوشبو اور اظہار و مدعا میں سچائی اور بے تکلفی نمایاں ہے۔دانش فراہی بھاری بھرکم الفاظ، پُر پیچ تراکیب اور ثقیل اسلوب سے یکسر گریز کرتے ہیں۔سہل ممتنع کے قائل ہیں۔اسی لیے ان کی شاعری میں سادگی، روانی، بے ساختگی اور برجستگی ہے۔ان کے کلام کو سمجھنے کے لیے کسی بڑے ذہنی ریاض کی ضرورت نہیں ہے۔انھوں نے خود سارا ریاض کر کے ہر سطح کے لوگوں کے لیے اپنی شاعری سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔ایسا کیوں نہ ہو، ان کا تخلص جو دانش اور نسبت فراہی ٹھہری۔

دانش فراہی کی شاعری میں محبت کا درد بھی ہے اور نفرت کی لذت بھی۔غمِ جاناں بھی ہے اور نشاطِ غم بھی۔اربابِ اقتدار کی زیادتیوں کا ذکر بھی ہے اور عوام الناس کی بے حسی کا ماتم بھی۔اپنوں کی ستم رعنائیوں کا گلہ بھی ہے اور غیروں کی عنایات کا بیان بھی، لب ورخسار کی باتیں بھی ہیں اور گل وبلبل کی داستان بھی۔وہ ایک شاعر ہیں اور مناظر فطرت پر اسی پہلو سے نگاہ بھی ڈالتے ہیں اس لیے انھیں زندگی کے تمام شعبوں اور کائنات کے تمام گوشوں میں عبرت کے سامان بآسانی مل جاتے ہیں۔پھر جو کچھ وہ پاتے ہیں حسین شعری قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔

دانش فراہی نے اپنی شاعری کے لیے جن بحروں کا انتخاب کیا ہے وہ سب

بجتی اور گنگناتی بحریں ہیں۔میں نے تو خود کبھی انھیں ترنم سے پڑھتے نہیں سنا ہے لیکن یقین ہے انھیں اختر مسلمی کی سحر انگیز اور ترنم ریز آواز نے نغمگیں بحروں کے انتخاب کے لیے مہمیز کیا ہوگا۔

کسی شاعر کا اصل تعارف اس کے اشعار ہوتے ہیں۔اس لیے میں ان کے کلام اور آپ کے درمیان مزید حائل نہیں رہنا چاہتا۔لیجیے خود پڑھیے اور شاعر کا مقام ومرتبہ متعین کیجیے۔

محمد عمر اسلم اصلاحی

استاذ مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ

۹/مارچ ۲۰۱۴ء

☆

گنبدِ خضرا کو میں نے جب تلک دیکھا نہ تھا
دل میں اتنا حق پرستی کا مرے جذبہ نہ تھا

راستوں میں ٹھوکریں جو کھا رہا تھا بار بار
یہ حقیقت ہے کہ نا بینا تھا وہ بینا نہ تھا

پیڑ پر جو خوبصورت پھل نظر آتا رہا
درحقیقت میں بہت کھٹا تھا کچھ میٹھا نہ تھا

خانۂ کعبہ کی چوکھٹ پر یہ سجدہ کر کے آج
ہوگیا ہے پارسا دانشؔ کبھی ایسا نہ تھا

☆

شادابیِ گلشن کبھی کم ہونے نہ دیں گے
گلچیں کا گلستاں پہ ستم ہونے نہ دیں گے

ہم دن کو کبھی رات میں ضم ہونے نہ دیں گے
حق کو کبھی باطل سے بہم ہونے نہ دیں گے

ایماں کی حرارت کبھی کم ہونے نہ دیں گے
پیشانی بتوں کے لیے خم ہونے نہ دیں گے

باطل ہے اگر درپئے آزار تو کیا غم
آوازِ اذاں ہم کبھی کم ہونے نہ دیں گے

ہم نے تو یہ ٹھانی ہے رہِ عشق میں دانشؔ
جو کچھ بھی ہو لغزیدہ قدم ہونے نہ دیں گے

☆

تو ہی دل کا میرے سکون ہے تو ہی دل کا میرے قرار ہے
تو ہی جان میرے چمن کی ہے ترے دم سے ساری بہار ہے

نہ سکوں نصیب ہے جان کو نہ دلِ حزیں کو قرار ہے
مرے دل کو جانے یہ کیا ہوا کہ تری نظر کا شکار ہے

یہاں جلوہ ریز فضائیں ہیں یہاں عطر بیز ہوائیں ہیں
یہ نہ جانے کون سا شہر ہے یہ نہ جانے کس کا دیار ہے

کروں التجائیں کرم کی میں کرے حالِ زار پر رحم تو
نہ مرا ہی ایسا مزاج ہے نہ ترا ہی ایسا شعار ہے

جو تھا ایک دانشؔ غم زدہ جو وفا پرست تھا عمر بھر
جو ستم سے آپ کے مر گیا یہ اسی کا خستہ مزار ہے

☆

شیشے سے زیادہ نازک تھا یہ شیشۂ دل جو ٹوٹ گیا
مت پوچھو کہ مجھ پر کیا گذری جب ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا

تاریکئ محفل کا شکوہ تم کرتے ہو اے دیوانو کیوں
خود شمع بجھا دی ہے تم نے خود بخت تمہارا پھوٹ گیا

ساقی کی نظر اٹھتی ہی نہیں کیوں بادہ و ساغر کی جانب
سرمایۂ مے خانہ آ کر کیا کوئی لٹیرا لوٹ گیا

محرومئ قسمت کا عالم کیا پوچھ رہے ہو تم مجھ سے
منزل تو ابھی ہے دور بہت اور اک اک ساتھی چھوٹ گیا

اٹھتا ہے دانشؔ دل سے دھواں آنکھوں سے ٹپکتے ہیں آنسو
کیا آتشِ غم دینے لگی لَو کیا دل کا پھپھولا پھوٹ گیا

☆

لمحات زندگی میں کچھ ایسے بھی آئے ہیں
دل پر پڑی ہے چوٹ تو ہم مسکرائے ہیں

یوں ہم نے گلستاں سے اندھیرے مٹائے ہیں
بجھتے ہوئے چراغ لہو سے جلائے ہیں

کچھ غم نہیں جو پھیلی ہے ہر سو غموں کی دھوپ
سر پر ہمارے آپ کی زلفوں کے سائے ہیں

ہوں منتظر وہ آئیں تو ان پر کروں نثار
پلکوں پہ میں نے چند ستارے سجائے ہیں

دورِ خزاں بھی دل سے فراموش ہوگیا
اب کے برس بہار نے وہ گل کھلائے ہیں

ان کا مقام کم نہیں لات و منات سے
لوگوں نے خواہشات کے جو بت بنائے ہیں

سب کے دلوں میں آتشِ نفرت ہے شعلہ زن
دانشؔ ہم آج کون سی بستی میں آئے ہیں

عیاں کیسا ہے غم روئے حسیں سے
بہا کیوں اشک چشمِ سُرگیں سے

گلوں کی تازگی شرما گئی ہے
پڑا جب سابقہ اس نازنیں سے

سبب دیوانگی کا کیا بتاؤں
محبت ہوگئی ہے اک حسیں سے

ارادہ جب بھی پختہ کرلے انساں
بدل جائے گا ہر نقشہ وہیں سے

یہی رازِ محبت ہے جو سمجھے
کہ ہاں ظاہر ہے ان کے اس نہیں سے

بجا تعریف ہے جنت کی لیکن
محبت ہے ہمیں اپنی زمیں سے

متاعِ زندگی جس پر لٹا دی
وہی تو بدگماں ہے اب ہمیں سے

فرشتوں کہ نہ توبہ ٹوٹ جائے
دیارِ حسن کی روشن زمیں سے

یہ صرف احساس ہی ہے میرا دانشؔ
کہ آئی ہے صدا ان کی کہیں سے

☆

یہ ہے انتظار مجھ کو میں ہوں آس یہ لگائے
وہ نقابِ رخ اٹھائے مرا دل قرار پائے

یہ ہے شیشے سے بھی نازک کوئی کس طرح بچائے
تری چشمِ خشمگیں سے مرا دل نہ ٹوٹ جائے

تری مہرباں نگاہیں ترے گیسوؤں کے سائے
یہ حسیں فضا یہ موسم مجھے نیند کیوں نہ آئے

جسے باغباں اجاڑے جسے پاسباں جلائے
وہ چمن بتاؤ یارو کوئی کس طرح بچائے

ترے سینے میں نہ جانے کوئی دل ہے یا کہ پتھر
نہ کسی پہ رحم کھائے نہ کسی پہ پیار آئے

مہ و انجمِ درخشاں سبھی ہوگئے فسردہ
تو کہاں نکل پڑا ہے یہ نقابِ رخ اٹھائے

یہ بہار یہ گلستاں یہ نسیمِ صبحِ رقصاں
جو تمہیں نہیں یہ منظر مجھے کیسے راس آئے

میں جلا دوں دل کی بستی میں مٹا دوں اپنی ہستی
جو مری تباہیوں سے ترا دل سکون پائے

مجھے اپنے قتل کا تو کوئی غم نہیں ہے لیکن
یہ ہے ڈر کہ قاتلوں میں ترا نام آ نہ جائے

میں اٹھاؤں گا نہ احساں کبھی ناخدا کا ہمدم
مری کشتی ڈوبتی ہے تو بلا سے ڈوب جائے

غمِ ہجر دل پہ طاری ہے لبوں پہ آہ جاری
یہ تمہیں بتاؤ دانش کوئی کیسے مسکرائے

☆

نہ سوچیں اہلِ خرد مجھ کو آزمانے کو
میں جانتا ہوں بہت عقل کے فسانے کو

نہیں قفس سے نکلنے کی آرزو صیاد
دکھا دے ایک نظر میرے آشیانے کو

اسیر کر کے قفس میں مجھے یہ حیرت ہے
وہ کہہ رہے ہیں مجھی سے چمن بچانے کو

سلوک اہلِ چمن سے یہ باغباں نے کیا
قفس سمجھنے لگے ہیں سب آشیانے کو

بتاؤ تم کو یہ کیا ہوگیا ہے اہلِ چمن
جلا رہے ہو جو خود اپنے آشیانے کو

جفا و ظلم کے اس تند تیز طوفاں میں
وہ مجھ سے کہتے ہیں شمعِ وفا جلانے کو

گرا رہے ہیں مسلسل وہ بجلیاں دانشؔ
بتاؤ کیسے بچاؤ گے آشیانے کو

☆

حشر اک گذرا ہے ویرانے پہ گھر ہونے تک
جانے کیا بیتی ہے دانے پہ شجر ہونے تک

ہجر کی شب یہ مرے سوزِ دروں کا عالم
جل کے میں خاک نہ ہوجاؤں سحر ہونے تک

اہلِ دل رہتے ہیں تازیست وفا کے پابند
شمع[1] ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

بے قراری کا یہ عالم ہے سرِ شام ہی جب
دیکھیں کیا ہوتا ہے اس دل کا سحر ہونے تک

دیکھیں گے حشر جفاؤں کا ہم ان کی دانشؔ
رہ گئے زندہ جو آہوں کے اثر ہونے تک

[1] مصرعہ طرح

☆

جلوہ اپنے رخِ زیبا کا دکھانا ہوگا
کچھ بھی ہو آپ کو ہر حال میں آنا ہوگا

روٹھنے والے تمہیں دردِ محبت کی قسم
صبح جاؤ گے اگر شام کو آنا ہوگا

نہ رہے داغ تعصب کا گلوں میں باقی
باغباں پھر سے تجھے باغ سجانا ہوگا

راہ میں سنگِ گراں تو نے جو رکھ چھوڑے ہیں
راہبر راہ سے یہ سنگ ہٹانا ہوگا

عزمِ دانشؔ ہے رکیں گے نہ قدم منزل تک
ساتھ آئیں گے ہمارے جنھیں آنا ہوگا

☆

مرے ہاتھ میں ان کی تصویر ہوگی
ملاقات کی یہ بھی تدبیر ہوگی

وفاؤں کے ہاتھوں میں زنجیر ہوگی
بڑی ہی حسیں میری تقدیر ہوگی

ترے ہاتھ سے جو بھی لکھی گئی ہے
بڑی محترم ایسی تحریر ہوگی

بجھا دوں گا سارے زمانے کی شمعیں
میسر اگر تیری تنویر ہوگی

جو کل خواب دیکھا تھا میں نے خوشی کا
خدا جانے کیا اس کی تعبیر ہوگی

☆

جو نہ کہنا تھا وہ بھی بیاں ہو گیا
رازِ دل آج ان پر عیاں ہو گیا

گلستاں بھی تو جائے اماں اب نہیں
اب تو صیاد خود باغباں ہو گیا

میں نے کی اک حسیں سے محبت مگر
دشمنِ جان سارا جہاں ہو گیا

دل کا عالم مرے آج کچھ اور ہے
مجھ پہ دانشؔ کوئی مہرباں ہو گیا

☆

دیکھو ذرا تاریخ کے اوراق کہن میں
ہے نام ہمارا بھی شہیدانِ وطن میں

دیکھی ہے مہکتے ہوئے زخموں کی بہاریں
مقتل سے گذرتے ہوئے آئے ہیں چمن میں

ہنستے ہوئے دیوانے چلے آتے ہیں خود ہی
کیسی ہے کشش ان کے لیے دار و رسن میں

وہ کہتے رہیں گے مری جرات کا فسانہ
چھوڑ آیا ہوں جو نقشِ قدم کوہ و دمن میں

ابنائے وطن کیا تمھیں معلوم نہیں ہے
شامل ہے مرا خونِ جگر ارضِ وطن میں

فیضان ہے اخترؔ[1] سے تلمذ کا یہ دانشؔ
ہوتا ہے شمار آپ کا اربابِ سخن میں

[1] استاد اخترؔ مسلمی مرحوم

☆

کبھی جب ہم تمھاری زلف برہم دیکھ لیتے ہیں
تو دن کی روشنی ہی میں شبِ غم دیکھ لیتے ہیں

کہاں تھے ہم کہاں پہنچا دیا ہے عشق نے ہم کو
کہ منزل ہی سے پہلے منزلِ غم دیکھ لیتے ہیں

چمن کو دیدۂ خوں بار نے رنگیں بنا ڈالا
خزاں کو اس طرح مصروفِ ماتم دیکھ لیتے ہیں

غنیمت جان دانشؔ کے لیے اتنا بھی اے ہمدم
یہ مجبوری سہی وہ منظرِ غم دیکھ لیتے ہیں

☆

حسیں موسم میں کوئی زلف بکھرائے تو کیا ہوگا
اگر میری نگاہِ شوق اٹھ جائے تو کیا ہوگا

بھلانے کا میں اس کو کس طرح وعدہ کروں ناصح
بھلانے پر بھی وہ ظالم جو یاد آئے تو کیا ہوگا

لیے جاتا ہے دل محفل میں اس رشکِ مسیحا کی
یہ دردِ دل اگر کچھ اور بڑھ جائے تو کیا ہوگا

بھروسہ کر رہے ہو ان حسینوں پر مگر دانشؔ
یہ اندازِ حسیں ان کا بدل جائے تو کیا ہوگا

☆

پردہ اپنے رخِ زیبا سے اٹھایا نہ کرو
دل ناشاد پہ یوں برق گرایا نہ کرو

ذکر کرتا ہوں شبِ غم کا کبھی جب ان سے
کہتے ہیں مجھ کو یہ افسانے سنایا نہ کرو

میں اکیلا ہی خطا کار نہیں تم بھی ہو
مجھ پہ الزام محبت کا لگایا نہ کرو

کہہ دیا کرتی ہیں ہر بات تمہاری آنکھیں
مجھ سے تم راز محبت کا چھپایا نہ کرو

دیکھو دانشؔ نہ بھٹک جائے کہیں رستے سے
اس طرح اس کو مئے ناب پلایا نہ کرو

☆

چلو میکدے ہی میں کچھ بات ہوگی
وہیں مجھ سے واعظ ملاقات ہوگی

سلامت رہے میرا ذوقِ تصور
کہ ہر لمحہ ان سے ملاقات ہوگی

مرے گھر وہ آئیں گے جس رات دانشؔ
خدا جانے کتنی حسیں رات ہوگی

☆

بناؤں گا میں دلِ حزیں کو تمہاری یادوں کا آشیانہ
حسین زلفیں رہیں گی بن کر مرے تصور میں شامیانہ

نہ اپنے دل میں اسے بساؤ نہ اس کو اپنا کبھی بناؤ
کبھی نہ دل کو لگاؤ اس سے کہ ہے بہت بے وفا زمانہ

بچا کے چلنا ہے اپنا دامن ہوئی ہے سب کی نگاہ دشمن
زمانے والوں کے لب پہ ہمدم ہماری الفت کا ہے فسانہ

گرا کے بجلی جو تم گئے ہو عجیب حالت ہوئی ہے دل کی
یہی ہے انداز جان لیوا یہی ادائیں ہیں قاتلانہ

خدا سے تم رشتہ جوڑو دانشؔ کسی کے دل کو کبھی نہ توڑو
خلوص پنہاں ہوں دل کے اندر زباں پہ الفت کا ہو ترانہ

☆

آج تک سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آئی
ایک ہی خطا کی تھی سیکڑوں سزا پائی

روٹھ کر تو جاتے ہیں آپ اس طرح مجھ سے
کس طرح گذاریں گے آپ اپنی تنہائی

اس کی شخصیت میں ہے کس قدر کشش ہمدم
دیکھتا ہوں میں جس کو ہے اسی کا شیدائی

کون جانے والا ہے آج اس گلستاں سے
سارے گل ہیں پژمردہ ہر کلی ہے مرجھائی

میکدہ سے جاتا ہے آج تشنہ لب دانشؔ
میکدے کی اے ساقی ہوگی کتنی رسوائی

☆

جب جب بھی یاد آئی ہے ان کے دیار کی
حالت نہ پوچھو میرے دلِ بے قرار کی

کیا بات ہے کہ آج معطر فضائیں ہیں
خوشبو اڑی نہ ہو کہیں گیسوئے یار کی

قسمت میں جب ہے قیدِ قفس ہی تو ہم نشیں
اب داستاں نہ چھیڑ تو فصلِ بہار کی

چھوٹا وطن عزیز و اقارب ہوئے جدا
کیا بات پوچھتے ہو غمِ روزگار کی

دانشؔ نہ پوچھو ہوتی ہے کس درجہ دل نواز
اک چشمِ التفات کسی غم گسار کی

☆

نہ وہ طائروں کا جمگھٹ نہ وہ شاخِ آشیانہ
تم اسے خزاں کہو گے کہ بہار کا زمانہ

میں وفاؤں کا ہوں پیکر میرا جذبہ مخلصانہ
مجھے آزما لے ہمدم جو تو چاہے آزمانا

تو مجھے تباہ کردے تو مرا نشاں مٹا دے
نہ کروں گا میں گوارہ مگر اپنا سر جھکانا

جو اسے کوئی سنے گا تو بھلا یقیں کرے گا
یہ جنابِ شیخ ہمدم یہ درِ شراب خانہ

یہ عطائے عشق ہی ہے کہ بنا ہوں میں غزل خواں
نہ تھا اس کے پہلے دانشؔ میرا ذوق شاعرانہ

☆

کشتی کو لگاؤں میں کس طرح کنارے پر
طوفان اٹھایا ہے اکثر تو کناروں نے

الزام لگاتے ہو کیوں برقِ تپاں پر تم
خود آگ لگائی ہے گلشن میں بہاروں نے

دو اشک محبت کے گرنے بھی نہیں پائے
افسانہ بنا ڈالا افسانہ نگاروں نے

واللہ بڑی شے ہے تنکے کا سہارا بھی
اک آس بندھا دی ہے پلکوں کے اشاروں نے

اب راز چھپے کیوں کر دانشؔ کی محبت کا
افشا اسے کر ڈالا اشکوں کی قطاروں نے

☆

جب بھی سوئے ہم کھلی چھت پر حسیں برسات میں
درد لے کر سیکڑوں یادیں اٹھیں برسات میں

تم تو کہتے ہو کہ آئیں گے حسیں برسات میں
بھول جاؤ تم نہ وعدہ ہی کہیں برسات میں

سبزہ ہی سبزہ ہے جاتی ہے نظر جس سمت بھی
سبز چادر جیسے اوڑھے ہو زمیں برسات میں

وقت ایسا پھر نہ شاید آسکے گا عمر بھر
چھوڑ کر ہم کو نہ جا اے ہم نشیں برسات میں

سوہنی گاتی ہوئی چلتی ہے جب سوندھی ہوا
مجھ کو یاد آتا ہے اک روئے حسیں برسات میں

دن کو بھی دینے لگی دھوکا ہمیں کالی گھٹا
راستہ تک بھی نظر آتا نہیں برسات میں

یاد آتا ہے کہ دانشؔ راستہ چلتے ہوئے
ہم ملے تھے ایک دن ان سے کہیں برسات میں

☆

دعا ہماری کبھی با اثر نہیں ہوتی
تمہاری ہم پہ کرم کی نظر نہیں ہوتی

میں کیا بتاؤں ترے غم میں کیا گذرتی ہے
وہ کون لمحہ ہے جب آنکھ تر نہیں ہوتی

علاج دردِ محبت جو ہو تو کیوں کر ہو
الٰہی کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی

ترے خیال میں رہتا ہوں میں جوگم اے دوست
مجھے زمانے کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی

اجالا کیسے نظر آئے گا کہیں تم کو
شبِ فراق کی دانشؔ سحر نہیں ہوتی

☆

یوں اشک محبت میں بہایا نہیں جاتا
اور زخمِ جگر سب کو دکھایا نہیں جاتا

کچھ کم نہیں ہوجائے کسی اک سے محبت
دل سب سے سرِ راہ لگایا نہیں جاتا

اک وہ ہیں کہ جو ہم کو بھلا بیٹھے ہیں لیکن
ہم ان کو بھلاتے ہیں بھلایا نہیں جاتا

یہ راز محبت بھی عجب راز ہے یارو
ہم لاکھ چھپاتے ہیں چھپایا نہیں جاتا

تصویر یہ کس کی مری آنکھوں میں ہے دانشؔ
حسن ایسا کسی اور میں پایا نہیں جاتا

☆

لہو لہان ہیں ہم اور جاں بلب بھی نہیں
ستم شعاروں کو احساس اس کا اب بھی نہیں

جب اختیار سپید و سیاہ کا تھا ہمیں
ہمارے گھر میں فروزاں تھی شمع تب بھی نہیں

لٹا دی جس کے لیے سب متاعِ قلب و جگر
اسی کو میری وفا کا یقین اب بھی نہیں

سنے گا کون وہاں داستانِ غم میری
میں[1] اس کی بزم میں اک حرف زیرِ لب بھی نہیں

بسر جو ہوتی ترے گیسوؤں کے سائے میں
میرے نصیب میں ایسی تو ایک شب بھی نہیں

انھیں تو آپ نہ ٹھہرائیں موردِ الزام
ستم نصیب ہیں لیکن وہ بے ادب بھی نہیں

نگاہ پھیر لے دنیا جو میری جانب سے
میں ایسا دوستو بے نام بے نسب بھی نہیں

کرم نوازیاں ان کی بھی ہیں عجب دانشؔ
کہ آنکھ نم بھی نہیں شکوہ سنج لب بھی نہیں

[1] یہ مصرعہ پروین شاکر کا ہے۔

☆

کچھ اپنے دور کی بھی کہانی لکھا کرو
پتھر کو موم خون کو پانی لکھا کرو

جدت کی رو میں لوگ کہاں سے کہاں گئے
تم سے بنے تو بات پرانی لکھا کرو

وہ عہد ہے کہ شعلہ فشاں بجلیوں کو بھی
غزلوں میں رنگ و نور کی رانی لکھا کرو

لفظوں کو اپنے اصل معانی سے عار ہے
اب دوستوں کو دشمنِ جانی لکھا کرو

ہے بے حسوں کی بھیڑ نہ ہوگا کوئی اثر
اخبار میں ہزار گرانی لکھا کرو

لکھنے کے واسطے کوئی عنوان چاہیے
فریاد و آہ و اشک فشانی لکھا کرو

شہرت کے خواستگارو مرا مشورہ ہے یہ
غالب کا اپنے آپ کو ثانی لکھا کرو

دانشؔ زہے نصیب ملے زخم لالہ رنگ
ہر زخمِ دل کو ان کی نشانی لکھا کرو

☆

ایک لمحہ کے لیے آئے اور آ کر چل دیے
دردِ دل تم اور بھی میرا بڑھا کر چل دیے

میری آہوں سے جگر پتھر کے پگھلے دوستو
سنگِ دل انسان لیکن مسکرا کر چل دیے

تم کو کیا معلوم میرے دل کے ارمانوں کا حال
اک جھلک تم تو مجھے اپنی دکھا کر چل دیے

آج تک آئے نہ تم میری عیادت کو مگر
نزع کے وقت آئے بھی تو سر جھکا کر چل دیے

کیا بتاؤں وہ جو دانشؔ آئے اک مدت کے بعد
جذبۂ خوابیدہ کو میرے جگا کر چل دیے

☆

جب وہ کوئی بول ہے بولے
کانوں میں رس جیسے گھولے

کس کی یادیں آئی ہیں یہ
دل میں میرے ہولے ہولے

ساری رات تو جاگ کے کاٹی
وقت سحر ہے اب تو سو لے

عکس ہمارا ہی پائے گا
دل کو اپنے تو جو ٹٹولے

تیز نظر سے دیکھنے والے
پھوٹ نہ جائیں دل کے پھپھولے

یوں اٹھتے ہیں درد جگر میں
جیسے اٹھیں صحرا میں بگولے

ساحل کوئی جب نہیں دانشؔ
دل کی کشتی اپنی ڈبولے

☆

وہ گیت پیار کا جو سنا کر چلے گئے
خوابیدہ حسرتوں کو جگا کر چلے گئے

پینے سے جس کے ہوش نہ آئے تمام عمر
ایسی شراب مجھ کو پلا کر چلے گئے

غیروں کی بے رُخی کا گلہ کس لیے کریں
اپنے ہی دل ہمارا دکھا کر چلے گئے

پوچھا جو میں نے پردے میں سورج ہے یا کہ چاند
چہرے سے وہ نقاب اٹھا کر چلے گئے

احساں ہے دانشؔ ان کا زمانے پہ یہ بہت
جو راستی کی راہ دکھا کر چلے گئے

☆

جس گھر میں تعصب کی دیوار نظر آئی
اس گھر میں سیہ بختی بیدار نظر آئی

اخلاص زمانے سے اٹھتے ہی مرے ہمدم
ہر شخص کے ہاتھوں میں تلوار نظر آئی

جس برق سے جل جائے گلشن بھی نشیمن بھی
وہ برق مرے گھر میں سو بار نظر آئی

جس قوم کے رہبر ہی خوابوں کے پجاری ہوں
وہ قوم کبھی دیکھا؟ بیدار نظر آئی

منھ موڑ لیا جس دم اس شوخ نے اے دانشؔ
ہر چیز زمانے کی بیزار نظر آئی

☆

آپ جو چاہیے وہ سزا دیجیے
لیکن اک بار تو مسکرا دیجیے

مجھ کو جامِ محبت پلا دیجیے
آپ دیوانہ مجھ کو بنا دیجیے

رخ سے اک بار پردہ اٹھا دیجیے
مجھ کو بھی اپنا جلوہ دکھا دیجیے

پیار سے آپ کو ہم نے دیکھا تو ہے
شوق سے اس خطا کی سزا دیجیے

شاید آجائے بیمارِ غم ہوش میں
آپ دامن کی اپنے ہوا دیجیے

دانشؔ ان کو نظر لگ نہ جائے کہیں
ان کے چہرے سے نظریں ہٹا دیجیے

☆

تو نے ہاتھوں سے دامن چھڑایا اگر چھوڑ کر تیرا دامن کدھر جائیں گے
پھیر لیں تو نے ان سے نگاہیں تو پھر تیرے دیوانے بے موت مر جائیں گے

میرے دل میں تو اس کا گماں بھی نہ تھا بے وفائی وہ اس درجہ کر جائیں گے
دیکھ کر خستہ حالی مری اس طرح وہ نگاہیں بچا کر گذر جائیں گے

میری بربادی پر رنج کرتے ہیں کیوں آپ کی آنکھ سے اشک بہتے ہیں کیوں
زیرِ لب مسکرا دیں اگر آپ تو میرے حالات خود ہی سنور جائیں گے

پیار سے دیکھ لو اک نظر تم مجھے دور ہوجائیں گے سارے رنج و الم
زیرِ لب ہی سہی مسکرا دو اگر زخم ہائے جگر میرے بھر جائیں گے

دانشؔ بے خبر یہ حسیں ہیں حسیں ان کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا کہیں
آج عہدِ محبت تو کرتے ہیں یہ کل ہی وعدے سے اپنے مکر جائیں گے

☆

سمجھا تھا جس کو ہے یہ مری زندگی کے ساتھ
وہ آج جا رہا ہے کسی اجنبی کے ساتھ

مدت سے جس کو دل میں بسائے ہوئے تھا میں
مجھ سے ملا وہ آج بڑی بے رخی کے ساتھ

وہ میرے ساتھ کرتے ہیں جس طرح کا سلوک
پیش آئے اس طرح سے نہ کوئی کسی کے ساتھ

مجھ پر عنایتیں بھی ہیں جور و ستم بھی ہے
ہے مجھ سے دشمنی بھی انھیں دوستی کے ساتھ

دانشؔ بیاں کیا جو کبھی ان سے حالِ دل
دیکھا ہماری سمت بڑی برہمی کے ساتھ

☆

سکون اس کو ملے گا کیوں کر اسے بھلا کیا قرار ہوگا
جسے کسی بے وفا کے آنے کا ہر نفس انتظار ہوگا

مری وفاؤں کا تم کو آخر یقین آئے گا کس طرح سے
مٹا دوں ہستی اگر میں اپنی تو کیا تمھیں اعتبار ہوگا

تری جفاؤں کا مجھ کو شکوہ نہیں ہے لیکن یہ ڈر ہے مجھ کو
ستم سے میں مر گیا اگر قاتلوں میں تیرا شمار ہوگا

خلوص دل جذبۂ محبت یہی ہیں انسانیت کے جوہر
کہے گا انسان کون اس کو جسے نہ انساں سے پیار ہوگا

وطن کی عظمت بڑھائے گا جو فدائے ملت کہیں گے جس کو
کبھی یہ دیکھیں گے آپ دانشؔ کہ وہ یہی خاکسار ہوگا

☆

جسے ناز حسن پر ہے اسے کیوں کسی کا ہو غم
وہ ہمارے اشک خونیں کو سمجھ رہا ہے شبنم

وہی درد کی دوا ہے وہی راحت و سکوں ہے
مرے دل کی دھڑکنوں میں جو کھٹک رہا ہے پیہم

نہ تو ناصحوں کی پروا نہ تو دشمنوں کا کھٹکا
تو اگر ہے پاس میرے تو مجھے نہیں کوئی غم

ترا میکدہ بھرا ہے تو اگر سخی ہے ساقی
تو بتا دے آج تو نے مجھے کیوں کیا عطا کم

مجھے اور کوئی دولت نہیں چاہیے الٰہی
میرے واسطے ہے کافی میرا یار میرا ہمدم

وہی ایک سنگ دل ہے جسے غم نہیں ہے دانشؔ
مری حالتِ پریشاں سے ہے سوگوار عالم

☆

لوگ کہتے ہیں جس کو الفت ہے
در حقیقت وہ اک اذیت ہے

روٹھ جانے سے اس کے اے ناصح
کیا بتاؤں جو میری حالت ہے

تیرے جانے کی کیوں کریں پروا
دل ہمارا اگر سلامت ہے

اس کا نقش و نگار کیا کہنا
حسن ہے اس کا یا قیامت ہے

پوچھ لے آ کے حالِ دل میرا
اس زمانے میں کس کو فرصت ہے

میری اک آہ پر ستم اتنا
یا الٰہی یہ کیا مصیبت ہے

تیرے ہونٹوں پہ ہے جو نغمۂ غم
یہ مری زیست کی حکایت ہے

خاک کوچے کی چھاننی ہی پڑی
یہ محبت بھی اک مصیبت ہے

شکوہ کرتے ہو کیا مظالم کا
دانشؔ ایسی ہی اپنی قسمت ہے

☆

ظلم ڈھائیں نہ ہچکچائیں آپ
دل پہ برقِ ستم گرائیں آپ

بے بسی پر مری ترس کھائیں
اس طرح چھوڑ کر نہ جائیں آپ

مر نہ جائے کہیں یہ دیوانہ
اس سے دامن نہ یوں چھڑائیں آپ

ہوش آئے نہ عمر بھر مجھ کو
مے کوئی ایسی اب پلائیں آپ

دل دیا ہے جب آپ نے دانشؔ
ناز محبوب کا اٹھائیں آپ

☆

ڈھائیں گے دل پہ یہ ستم دیکھو
سنگ دل ہوتے ہیں صنم دیکھو

غیر ممکن ہے دل رہا ہوجائے
اس کی زلفوں کے پیچ وخم دیکھو

اس کو پانے کی آرزو میں ندیم
ہم نے جھیلے ہیں کتنے غم دیکھو

حالِ دل میرا پوچھنے والو
اک نظر میری چشمِ نم دیکھو

پھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے
دل کو ایسی نظر سے کم دیکھو

اس طرف بھی ہو اک نگاہِ کرم
مضطرب کس قدر ہیں ہم دیکھو

چھین لے جائیں گے یہ دل دانشؔ
ان حسینوں کی سمت کم دیکھو

☆

نہ پایا چین نہ آیا کبھی قرار مجھے
نہ راس آیا کبھی موسمِ بہار مجھے

مری تباہی کو کافی ہے اک نگاہِ کرم
نہ دیکھ چشمِ غضب سے تو بار بار مجھے

چلے بھی آؤ نہ للہ مجھ کو تڑپاؤ
کہ مدتوں سے تمہارا ہے انتظار مجھے

سکون بخش مرے گاؤں کی فضا ہے بہت
یہ شہر دے نہ سکیں گے کبھی قرار مجھے

ہو بھول جانا مبارک تجھے مگر ظالم
کرے نہ آ کے تری یاد بے قرار مجھے

قفس میں کرتے تھے دانشؔ جو احترام مرا
چمن میں اب وہی کرتے ہیں سنگسار مجھے

مصرعہ طرح

☆

مضطر وہ ہوگئے جو پڑی ان کے کان میں
تاثیر کس قدر تھی مری داستان میں

کیا ڈھونڈتا ہے دردِ محبت کی تو دوا
ملتی نہیں دوا یہ کسی کی دکان میں

آیا ہے آج ان کے لبوں پر تمہارا نام
چپکے سے کہہ گئی ہے صبا میرے کان میں

نظریں پھریں تمہاری تو جاں ہی نکل گئی
جب ملتفت ہوئے ہو تو جان آئی جان میں

دانشؔ کیا ہے میں نے جو سوزِ دروں کا ذکر
چھالے سے پڑ گئے ہیں ہماری زبان میں

☆

کس قدر اضطراب ہے یارو
زندگی اک عذاب ہے یارو

دل مرا صاف آئینے کی طرح
ایک سادہ کتاب ہے یارو

میں ہوں ناکام عشق میں لیکن
کیا کوئی کامیاب ہے یارو

جب سے دیکھا ہے اس نے ہنس کے مجھے
دل کی حالت خراب ہے یارو

غمِ جاناں تو راحتِ دل ہے
فکرِ دنیا عذاب ہے یارو

اس نے شاید کیا ہے یاد مجھے
دل میں کیوں اضطراب ہے یارو

پوچھتے کیا ہو اس کا نقش و نگار
آپ اپنا جواب ہے یارو

سن سکوں گا نہ داستانِ عشق
اب کہاں مجھ میں تاب ہے یارو

کیا کرے گا کوئی خراب اسے
جو ازل سے خراب ہے یارو

کچھ بتاؤ کہ آج دانشؔ پر
کیوں ستم بے حساب ہے یارو

☆

یوں دیکھنے میں لگتے ہیں وہ مہربان سے
رہتے ہیں دل میں مجھ سے مگر بدگمان سے

ہے ان بتوں کے سینے میں پتھر بجائے دل
چہرے سے لگ رہے ہیں بڑے مہربان سے

میری طرف بھی دیدۂ عبرت سے دیکھیے
آتی ہے یہ صدا مرے اجڑے مکان سے

چہرے سے داستانِ ستم ہے مرے عیاں
یہ اور بات ہے نہ کہوں کچھ زبان سے

تاثیر کتنی تھی کہ بتِ سنگِ دل بھی آج
غمگین ہوگیا ہے مری داستان سے

اشکوں کی قدر آپ مری جانتے نہیں
وابستہ قطرہ قطرہ ہے اک داستان سے

دانشؔ یہ دیکھنا ہے کہ گرتی ہے کس پہ برق
وہ آرہے ہیں آج بڑی آن بان سے

مصرعہ طرح

☆

میں ترے بغیر آخر کروں کس طرح گذارا
نہ ہو جب تری جدائی مجھے ایک پل گوارا

مجھے مل گئی ہے منزل مجھے مل گیا کنارا
تری چشمِ نرگسیں نے مجھے دے دیا سہارا

ذرا آ کے دیکھ لیتا کوئی یہ حسیں نظارا
مرے آنسوؤں کی یورش ترے حسن کا شرارا

مرے سامنے نہیں ہے زر و مال کی حقیقت
کروں جاں نثار تجھ پر جو ملے ترا اشارہ

رہے عمر بھر سلامت یہ مرا حسیں تصور
کہ میں تجھ سے دور رہ کر ترا کرتا ہوں نظارہ

کبھی اپنے خونِ دل سے جسے ہم نے سینچا دانشؔ
ہمیں حق نہیں کہیں اب کہ ہے یہ چمن ہمارا

☆

وہ جس پہ غم کا اثر نہ ہوگا
کچھ اور ہوگا بشر نہ ہوگا

کبھی جھکے گا نہ سر ہمارا
اگر ترا سنگِ در نہ ہوگا

میں کیسے سمجھاؤں تجھ کو ہمدم
کہ ختم تنہا سفر نہ ہوگا

یہ بات کس طرح مان لوں میں
دعا کا اس پہ اثر نہ ہوگا

ہمارے حالِ زبوں سے دانشؔ
یقیں ہے وہ بے خبر نہ ہوگا

☆

ہر سمت قتل گاہ کا منظر ہے آج بھی
پوشیدہ آستینوں میں خنجر ہے آج بھی

ق

ہے امن اور عدل کا شہرہ بہت مگر
سرگرم کار دستِ ستمگر ہے آج بھی

جو مدتوں سے لوٹتا آیا ہے دوستو
افسوس قوم کا وہی رہبر ہے آج بھی

تم سے جدا ہوئے تو زمانہ ہوا مگر
سایہ تمہاری زلفوں کا سر پر ہے آج بھی

تو مہرباں تھا مجھ پہ کبھی یاد ہے مجھے
کیا[1] تو وہی خلوص کا پیکر ہے آج بھی

تعمیرِ نو کے دور میں اہلِ مکاں ہیں سب
دانشؔ ہے ایک شخص جو بے گھر ہے آج بھی

[1] مصرعہ طرح

☆

نہ جانے کیسے مرا آج اس نے نام لیا
تمام عمر نہ جس نے مرا سلام لیا

وہ کر کے وعدہ زمانہ ہوا نہیں آیا
نہ جانے کس غلطی کا یہ انتقام لیا

نگاہیں ملتے ہی اس شوخ کی نگاہوں سے
ہر ایک شخص نے دل اپنا تھام تھام لیا

جو کام تیغ و سناں سے بھی ہو نہ سکتا تھا
نگاہِ ناز سے اس شوخ نے وہ کام لیا

شبِ فراق کی بے چینیوں میں اے دانشؔ
سکونِ دل کے لیے میں نے آج جام لیا

☆

مجھ سے محبت ہے تم کو بھی چاہے لب پہ نہ لاؤ تم
حال عیاں ہے سب آنکھوں سے مجھ سے لاکھ چھپاؤ تم

گھر میں ہمارے آگ لگا کر خوشیاں خوب مناؤ تم
پڑ کے رہے گا صبر ہمارا جتنا چاہے جلاؤ تم

گلشن میں جو کام تھا یارو میں نے اسے انجام دیا
چاہے اس میں آگ لگاؤ چاہے برق گراؤ تم

صبر کا دامن تھامو دانشؔ ہمت سے لو کام ذرا
رو رو کر بینائی اپنی دیکھو یوں نہ گنواؤ تم

☆

محبت میں ایسی بلاؤں نے گھیرا
شبِ غم کا ہوتے نہ دیکھا سویرا

یہی حال تیرا بھی ہو کر رہے گا
محبت میں جو حال ہے آج میرا

مری شامِ غم کی بڑھی تیرگی جب
کیا دور داغِ جگر نے اندھیرا

بھٹک جائیں گے راہِ رو تیرگی میں
اگر اپنی زلفوں کو تم نے بکھیرا

کسے باغباں میں بناؤں چمن کا
جسے دیکھتا ہوں وہی ہے لٹیرا

تغافل پہ اس کے تجھے رنج کیوں ہو
ہوا جو نہ میرا وہ کیا ہوگا تیرا

شجر ہی نہ ہوگا جہاں کوئی دانشؔ
کریں گے پرندے وہاں کیا بسیرا

☆

گھات لگائے بیٹھا ہے اب تیرے لیے باطل اے دوست
تجھ کو مٹا دے گا اک دن یہ تو جو رہا غافل اے دوست

جذبۂ صادق سے خالی ہے جن لوگوں کا دل اے دوست
مشکل ہے ناممکن ہے وہ پہنچے تا منزل اے دوست

ہم دیوانوں ہی کے دم سے ساری بزم کی رونق تھی
سونی سونی سی لگتی ہے اب تیری محفل اے دوست

کیا انصاف کے ہم طالب ہوں کیا اس سے فریاد کریں
آج وہ منصف بن بیٹھا ہے کل جو تھا قاتل اے دوست

کیا میں بتاؤں میرے لیے تو رنج و الم سے بدتر ہے
ایسی خوشی جس میں کہ نہیں ہے تیرا غم شامل اے دوست

رکھنا پاؤں سمجھ کر اس میں تا کہ نہ پھر پچھتاؤ تم
تم کو خبر ہے راہِ محبت ہے کتنی مشکل اے دوست

کوئی انس و محبت اس سے ہو جو ہمیں تو کیوں کر ہو
ہم کو اس دنیا سے اب تک کچھ نہ ہوا حاصل اے دوست

آتشِ غم سے خاکستر ہے تیرِ الم سے زخمی ہے
ڈھونڈھے سے بھی مل نہ سکے گا میرا جیسا دل اے دوست

اس پر بھی اک بار نگاہِ لطف عنایت ہوجائے
دانشؔ کا دل تیری ادائے ناز کا ہے بسمل اے دوست

☆

ساگر سے بھی گہرا نکلا
ادنیٰ سا اک اشک کا قطرا

مٹی میں مل جائے گا یہ
حسن پہ اتنا تو مت اترا

مت پوچھو کیا دل پر گذری
چہرا اترا دیکھا اس کا

اللہ اللہ حسنِ تصور
ہر سو تیرا چہرا چہرا

اہلِ خرد سے پوچھے کوئی
پیار پہ اتنا کیوں ہے پہرا

بڑھ گئی دھڑکن میرے دل کی
کون نظر سے میری گذرا

میرے گھر آ جائے شاید
اے دل کوئی بھولا بسرا

ڈھونڈھ رہا ہے کس کو دانشؔ
جنگل جنگل صحرا صحرا

☆

اک زمانہ ہوا زخم کھائے ہوئے
ایک مدت ہوئی مسکرائے ہوئے

اپنی پلکوں پہ تارے سجائے ہوئے
آپ کی بزم میں ہم ہیں آئے ہوئے

کون جانے کہ ہم مسکراتے رہے
کتنے غم اپنے دل میں چھپائے ہوئے

کس طرح سے رہے گا کوئی شادماں
غم کے بادل ہوں جب سر پہ چھائے ہوئے

منتظر کس کے دانشؔ ہو تم شام سے
دل کے داغوں کی شمعیں جلائے ہوئے

☆

تجھ سے بچھڑے ہم تو تو اے دوست یاد آیا بہت
تیری یادوں نے ہمارے دل کو تڑپایا بہت

سن کے بربادی ستمگر میری گھبرایا بہت
اور اس کی آنکھ سے آنسو نکل آیا بہت

مجھ کو اس کی اس ادا پر پیار آخر آ گیا
جب وہ اپنے وعدۂ فردا پہ پچھتایا بہت

جب چلا سوئے حرم تو دوستو میں کیا کہوں
ایک کافر راستے میں مجھ کو یاد آیا بہت

عشق کی راہوں پہ چلنا دوست کچھ آساں نہیں
خواب میں مجنوں نے آ کر مجھ کو سمجھایا بہت

عشق میں کیسے کہوں میں صرف ہوتا ہے زیاں
میں نے دانشؔ عشق میں کھویا تو کچھ پایا بہت

☆

شیشے کے اس شہر کے سارے شہری ہیں پتھریلے
پھولوں جیسے چہرے سب کے لہجے ہیں زہریلے

ناگن جیسی چال ہے ان کی بادل جیسی زلفیں
چندا جیسا مکھڑا ان کا نینا ہیں شرمیلے

پوچھ رہا تھا چوراہے پر کل مجھ سے اک راہی
دانشؔ تیرے شعر سنا ہے ہوتے ہیں دردیلے

☆

یہ کیسی ہوا آ گئی ناگہانی
اڑا لے گئی پیار کی سب نشانی

نہ پوچھو مری زندگی کی کہانی
محبت میں میں نے لٹا دی جوانی

ترے دل میں ہے کس قدر بدگمانی
مرے پیار کی قدر تو نے نہ جانی

ترے ظلم کی داستاں ساری دنیا
سنے گی مرے آنسوؤں کی زبانی

سیاست کا جب تک نہ ڈوبے گا بیڑا
صداقت کی دشوار ہے حکمرانی

تعصب سے معمور دل جس کا ہوگا
چمن کی کرے گا وہ کیا پاسبانی

نہ ہوگا اثر کچھ حسینوں پہ دانشؔ
کہیں ان سے کیا اپنے غم کی کہانی

☆

برق گرنے لگی آسماں سے
اٹھ رہا ہے دھواں آشیاں سے

دیکھ لو حال آنکھوں سے میرا
کیا بتاؤں میں اپنی زباں سے

ایک دن رنگ لائیں گی ظالم
ہو نہ بے خوف آہ و فغاں سے

ہم نے سینچا جسے خونِ دل سے
کیا ملا ہم کو اس گلستاں سے

وہ کرے یوں نہ برباد گلشن
کہہ دے دانشؔ کوئی باغباں سے

☆

جو خون ہر سمت بہہ رہا ہے کچھ اس کا تم پر اثر نہیں ہے
ستمگرو کیا تمہارے سینے میں اور کچھ ہے جگر نہیں ہے

ہمیں نے سینچا ہے خونِ دل سے ہمیں سے شاداب ہے یہ گلشن
ہے سخت حیرت جو اہلِ گلشن تمہیں کچھ اس کی خبر نہیں ہے

لگائے بیٹھے ہیں گھات رہزن چھپے ہیں ہر سمت جاں کے دشمن
ہے راستہ آج کون ایسا جو دوستو پُر خطر نہیں ہے

☆

کل تک تو اخلاص محبت آتے تھے جتلانے لوگ
دیکھ کے مجھ کو آج لگے ہیں کیوں آخر کترانے لوگ

کیسے ہیں اس شہر کے باسی کیسی ہے اس شہر کی ریت
انجانوں سے بھی بدتر ہیں یہ جانے پہچانے لوگ

میرے قدموں کے نیچے تو کل تک پھول بچھاتے تھے
پاؤں میں میرے زنجیریں کیوں آج لگے پہنانے لوگ

ساقی تیرے مے خانے کا سارا بھرم کھل جائے گا
دیکھ کے واپس ہوجائیں گے جب خالی پیمانے لوگ

دنیا کے سب انساں دانشؔ اپنی نظر میں انساں ہیں
کیا جانیں کیا اونچ نیچ ہے ہم جیسے دیوانے لوگ

☆

جو زلفوں سے تیری یہ آزاد ہوگا
کبھی زندگی بھر نہ دلشاد ہوگا

یقیں ہے کبھی وہ نہ برباد ہوگا
جو دل تیری یادوں سے آباد ہوگا

تمہیں اس میں تصویر میری ملے گی
اگر شعر کوئی مرا یاد ہوگا

مظالم یہ ہاتھوں سے اہلِ چمن کے
خبر کیا تھی پردے میں صیاد ہوگا

کہاں تک کوئی جھیل پائے گا دانشؔ
اگر اک ستم روز ایجاد ہوگا

☆

کیا ہوئی ہے خطا یہ بتائیں
پھر مجھے دیجیے گا سزائیں

دیکھ کر تیری آنکھوں کی مستی
رند بادہ کشی بھول جائیں

جان کتنوں کی لیں گی نہ جانے
یہ تری قاتلانہ ادائیں

ہے محبت کا رکھنا بھرم تو
اشک آنکھوں سے بہنے نہ پائیں

رحم کیجے مری بے بسی پر
چھوڑ کر آپ مجھ کو نہ جائیں

ہم بنا کر رہیں گے نشیمن
لاکھ وہ بجلیاں اب گرائیں

غیر ممکن ہے ہم کیسے دانشؔ
دل سے نقشِ محبت مٹائیں

☆

اس طرح حوصلہ ضبطِ غم کا زندگی بھر بڑھاتے رہیں گے
وہ ستم ہم پہ ڈھاتے رہیں گے اور ہم مسکراتے رہیں گے

ذوق رکھتے ہیں تعمیر کا ہم آشیانہ بناتے رہیں گے
شوق مشقِ ستم کا ہے ان کو بجلیاں وہ گراتے رہیں گے

ہم نشیں ہے الگ بات ان کی ہیں جو ترکِ وفا کرنے والے
ہم تو وہ ہیں کہ عہدِ محبت زندگی بھر نبھاتے رہیں گے

ان کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا لوٹ لیں گے سرِ راہ تم کو
دوستو راہزن راستے میں راہبر بن کے آتے رہیں گے

مجھ کو ڈر ہے کہیں میرے ساقی کھل نہ جائے بھرم میکدے کا
رند کب تک ترے میکدے میں بے پیے ڈگمگاتے رہیں گے

کچھ اثر ہی نہیں جس کے دل پر جو سنی ان سنی کر رہا ہے
آپ قصہ غمِ دل کا دانشؔ کب تک اس کو سناتے رہیں گے

☆

موجِ طوفاں ملی تیز دھارا ملا
تب کہیں جا کے ہم کو کنارا ملا

خوش نصیبی ہماری ہے اے ہم نشیں
جو بھی ہم کو ملا وہ ہمارا ملا

کیوں نہ مسرور ہو دل مرا دوستو
کھو دیا تھا جسے وہ دوبارا ملا

بادہ نوشی میں اس کو تأمل ہو کیوں
چشمِ ساقی کا جس کو اشارہ ملا

تیرے دانشؔ کو جینے کا ڈھنگ آ گیا
جب سے تیری نظر کا سہارا ملا

☆

دل تھا بے کیف محبت کی خطا سے پہلے
لطف ایسا نہیں آیا تھا سزا سے پہلے

ہائے اندازِ محبت بھی عجب تھا ان کا
کر رہے تھے وہ جفا مجھ پہ وفا سے پہلے

کس قدر تیری دعاؤں میں اثر تھا اے دوست
ہوگیا ہوں میں صحت یاب دوا سے پہلے

کیا بتاؤں تجھے ہمدم کہ تھا ابتر کتنا
حال میرا ترے دامن کی ہوا سے پہلے

بات یہ میری ذرا غور سے سن لو دانشؔ
کام کرنا نہ کوئی نامِ خدا سے پہلے

☆

اک ذرا سی آہ پر یہ میری کیوں
ہر گلی ہر شہر میں چرچا ہوا

عشق کا سودا مجھے مہنگا نہیں
میں بلا سے ہر جگہ رسوا ہوا

جس کو نفرت ہے ہمارے نام سے
وہ ہمارا دوست ہے یہ کیا ہوا

زندگی برباد کر ڈالی مری
ہائے میرے ساتھ کیا دھوکا ہوا

اپنی ناکامی پہ حیرت کیوں کروں
ہر دِیا دیکھا ہے جب بجھتا ہوا

کیا بتاؤں کس قدر خوش ہوگیا
دیکھ کر میں اپنا گھر جلتا ہوا

جا کے دانشؔ حسن کے بازار میں
لُٹ گیا تو کیا ہوا اچھا ہوا

☆

اودھ کی شام بنارس کی صبح تو کیا ہے
بغیر اس کے چمن کا یہ رنگ و بو کیا ہے

جلا کے میرا نشیمن سکوں نہیں تم کو
تمھیں بتاؤ تمھاری اب آرزو کیا ہے

نہ روکو آج خرد مندو راستہ میرا
دکھائی دیتا نہیں میرے روبرو کیا ہے

تو سیکڑوں کا پجاری میں ذاتِ واحد کا
ذرا یہ دیکھ کہ میں کیا ہوں اور تو کیا ہے

بس ایک منزلِ مقصود ہے نگاہوں میں
میں کیا بتاؤں کہ دانشؔ کی آرزو کیا ہے

☆

ہماری پُرسشِ غم کو وہ آگئے ہوتے
تو خار دل کا ہمارے نکل گیا ہوتا

بجھادی اشکوں نے میرے اس آگ کو ورنہ
بچا ہوا ہے جو گھر وہ بھی جل گیا ہوتا

نہ آگ لگتی چمن میں نہ آشیاں جلتے
جو باغبانِ گلستاں بدل گیا ہوتا

☆

اس وقت زمانے کا دستور نرالا ہے
گلشن میں اندھیرا ہے صحرا میں اجالا ہے

اب لا کے لبِ ساحل کیوں اس کو جلاتے ہو
جس ڈوبتی کشتی کو طوفاں سے نکالا ہے

اب شیخ و برہمن کا جھگڑا نہ رہا باقی
اس شہر میں اب کوئی مسجد نہ شوالا ہے

طوفان صداقت کا اک جلد ہی اٹھّے گا
یہ بیڑا سیاست کا اب ڈوبنے والا ہے

مے خواروں کی محفل میں ہیں شاہ و گدا یکساں
رندوں کے لیے کوئی ادنیٰ ہے نہ اعلیٰ ہے

ہیں خوب بہت دانشؔ اشعار تمہارے بھی
ہر طرز انوکھا ہے ہر رنگ نرالا ہے

☆

دل میں بپا اک محشر ہے
پھر بھی تبسم لب پر ہے

کرتا ہے وہ اخلاص کی بات
ہاتھ میں جس کے خنجر ہے

کیسا زمانہ آیا ہے
اب رہزن ہی رہبر ہے

اے ہمدم یہ دنیا اب
کانٹوں کا اک بستر ہے

مقتل ہے یا گلشن ہے
لوگو کیسا منظر ہے

حال پریشاں ہے سب کا
جس کو دیکھو مضطر ہے

دور نظر جو آتی تھی
اب وہ مصیبت سر پر ہے

سارے لوگ ہیں گھر والے
دانشؔ ہی اک بے گھر ہے

مصرعہ طرح

☆

دیکھ کر حالت مری جب آپ مضطر ہوگئے
اشک جو پلکوں پہ رقصاں تھے وہ گوہر ہوگئے

دیدنی ہیں یہ سیاست کی کرشمہ سازیاں
کل تلک جو راہزن تھے آج رہبر ہوگئے

جن کے خوں سے ہے وطن کا ذرہ ذرہ ضوفگن
ظلم کا ایسا اٹھا طوفاں کہ بے گھر ہوگئے

آپ بالیں پر مری آئے ہیں بن کے داد رس
جب مرے سینے میں سب پیوست خنجر ہوگئے

جو بناتے تھے مرے ہمراہ شیشے کا مکاں
سخت حیرت ہے کہ ان کے دل بھی پتھر ہوگئے

اٹھ گیا دنیا سے اب شاید محبت کا چلن
کل جو میرے دوست تھے وہ اب ستمگر ہوگئے

☆

چھوڑ دو اپنی یہ تانا شاہی
زیب دیتی نہیں کج کلاہی

بے نقاب ایک دن ہوں گے آخر
ظلم خود ان کا دے گا گواہی

کیسے محفوظ کوئی رہے گا
جب کہ قاتل کی ہو سربراہی

وہ ہوا جلوہ گر جب سے یارو
شہر میں میرے آئی تباہی

واسطہ ہو نہ جس کو جہاں سے
وہ فقیری بھی ہے بادشاہی

کر کے ثابت رہوں گا میں اپنی
ایک دن دوستو بے گناہی

جل رہا ہے کوئی شہر شاید
آسماں پر ہے چھائی سیاہی

سارے اوصاف سے ہے مزین
یہ غزل تیری دانشؔ فراہی

☆

آ جائے راس کاش تری دوستی مجھے
مل جائے تھوڑی اور اگر زندگی مجھے

میں جب بھٹک رہا تھا اندھیرے میں ہر طرف
تیری طلب نے بخشی نئی روشنی مجھے

محفل میں ایک تیرے نہ ہونے سے ہم نشیں
بے لطف لگ رہی ہے یہ ساری خوشی مجھے

جس زندگی کے واسطے کرتا تھا میں دعا
وہ اب گذر رہی ہے گراں زندگی مجھے

ہے بے قرار دل کو مرے غم کی جستجو
کیوں دے رہے ہو دوستو آخر خوشی مجھے

بد ظن ہیں لوگ مجھ سے مگر دیکھتے نہیں
بخشی ہے کس نگاہ نے یہ بے خودی مجھے

جس میں نہ زندگی کے حقائق کا عکس ہو
دانش نہیں قبول ہے وہ شاعری مجھے

☆

جمال و حسن کا پیکر ہو آفتاب ہو تم
تمام عمر پڑھوں جس کو وہ کتاب ہو تم

بہارِ سر و سمن ہو حسیں گلاب ہو تم
نگار خانۂ قدرت کا انتخاب ہو تم

حلال کہتے ہیں جس کو جنابِ واعظ بھی
نہ جانے کون سے مے خانے کی شراب ہو تم

نسیمِ صبح تمھیں سے بہارِ گلشن بھی
چمن کے حسن کا آئینۂ شباب ہو تم

تمھارے دم سے درخشاں ہے میرے دل کا جہاں
مری امیدوں کی دنیا کا ماہتاب ہو تم

یہ ماہ و نجم تصدق تمھارے جلوؤں پر
بہشتِ حسن کا جلوہ نما حجاب ہو تم

یہاں مناظرِ فطرت میں ہر طرف تم ہو
یوں کائنات کی ہر شے میں بے نقاب ہو تم

تڑپ رہی ہے مری چشمِ شوق جس کے لیے
مرے رفیق مرا وہ حسین خواب ہو تم

دکھاؤں کیسے میں اوراق کھول کر دانشؔ
کتابِ دل کا مری اک حسین باب ہو تم

☆

خون سے اپنے جلا کر اک دیا لیتے چلو
کچھ تو بہرِ امتحاں گاہِ وفا لیتے چلو

منزلیں آسان ہوجائیں گی ساری دوستو
ساتھ میں اپنے کوئی اک رہ نما لیتے چلو

ایک دن پگھلیں گے یہ پتھر کے دل والے ضرور
بے کسی کا بانکپن غم کی ادا لیتے چلو

جن کے ہاتھوں میں ہیں پتھر ان کو مایوسی نہ ہو
اپنے[1] اپنے ہاتھ میں اک آئینہ لیتے چلو

وقت کے تیور بتاتے ہیں قیامت ہے قریب
اس لیے مرنے کا دل میں حوصلہ لیتے چلو

راہ کی دشواریاں آسان ہوجائیں گی خود
ہر قدم پر دوستو نامِ خدا لیتے چلو

جن کے سائے میں بسر کی تم نے ساری زندگی
ان کی اے دانشؔ فراہی تم دعا لیتے چلو

۱؎ مصرعہ طرح

☆

ستم کے بعد بھی باقی کرم کی آس تو ہے
وفا شعار نہیں وہ وفا شناس تو ہے

وہ دل کی بات زباں سے نہ کچھ کہیں شاید
ہمارے حال پہ چہرہ مگر اداس تو ہے

یہ دل فریب بنارس کی صبح کا منظر
اودھ کی شام دل آرا ہمارے پاس تو ہے

بھرم رہے گا ترے مے کدے کا بھی ساقی
بلا سے خالی سہی ہاتھ میں گلاس تو ہے

چلے ہی جائیں نگاہوں سے دور آپ مگر
حسین یادوں کی دولت ہمارے پاس تو ہے

کرے بھلے ہی نہ رحمت کی مجھ پر تو بارش
ترے کرم کی مرے دل میں ایک آس تو ہے

یہ سچ ہے اس نے بجھائی نہ تشنگی لیکن
ہماری تشنہ دہانی کا اس کو پاس تو ہے

درست ہے کہ فرشتہ صفت نہیں دانشؔ
خدا گواہ بصیرت کی اس کو پیاس تو ہے

☆

سوز جو سینۂ بسمل میں نہاں ہوتا ہے
برق بن کے کبھی رگ رگ میں رواں ہوتا ہے

دیدنی یہ بھی محبت میں سماں ہوتا ہے
آنکھ نم ہوتی ہے جب دل میں دھواں ہوتا ہے

راہ میں ایسے بھی آ جاتے ہیں کچھ موڑ جہاں
روشنی دیکھ کے منزل کا گماں ہوتا ہے

درد جب حد سے گذرتا ہے تو اس وقت ندیم
اشک بے ساختہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

روز ہوتا ہے نیا فتنہ بپا کیوں ناصح
شہر میں تیرے اگر کوئی جواں ہوتا ہے

راز یہ اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں
چوٹ لگتی[1] ہے کہاں درد کہاں ہوتا ہے

جادۂ عشق میں کھو کر بھی بہت پایا ہے
کون کہتا ہے محبت میں زیاں ہوتا ہے

پاس ہوتا ہے مرے جب بھی کبھی وہ دانشؔ
جیسے باہوں میں مری سارا جہاں ہوتا ہے

[1] مصرعہ طرح

☆

جب اپنے مسیحا کو نہیں کوئی دوا یاد
تو کس کو کروں میرے خدا تیرے سوا یاد

وہ سامنے آئے تو عجب حال ہے دل کا
شکوہ نہ شکایت ہے نہ اب کوئی گلہ یاد

محشر کے لیے کر لو ریاضؔ آج ہی ساماں
کیا جانیے کر لیتی ہے کب کس کو قضا یاد

ہوگا وہ مری زندگی کا آخری لمحہ
آجائے اگر اور کوئی تیرے سوا یاد

بے گانہ ہیں اب رسمِ محبت ہی سے دونوں
ان کو ہے جفا یاد نہ ہم کو ہے وفا یاد

جس وقت کسی شخص پہ پڑتی ہے مصیبت
اس وقت اسے دوستو آتا ہے خدا یاد

لائی تھی دمِ صبح جو پیغامِ محبت
آتی ہے مجھے آج بھی وہ بادِ صبا یاد

کل جس نے سرِ راہ مجھے قتل کیا تھا
آتی ہے ابھی تک وہی قاتل کی ادا یاد

پڑھ لیتا تھا کل تک مرے چہرے کو جو دانشؔ
اب اس کو نہیں کوئی مرے دل کی صدا یاد

☆

کیا بتاؤں دوست مجھ کو پیار میں کیسا لگا
وہ مجھے اچھی لگی اور میں اسے اچھا لگا

دیکھتا رہتا تھا میں تصویرِ جاناں رات بھر
آ گئی باہوں میں تب سپنا مجھے سچا لگا

ریشمی زلفیں تھیں لب جیسے کوئی جامِ شراب
ڈالی چہرے پر نظر تو پھول کے جیسا لگا

اس کے دم سے کس قدر روشن اندھیری رات تھی
ہوش آیا صبح میں جب نور کا تڑکا لگا

جب تلک تھا اس کی زلفوں کا نہ سایا دوستو
زیست کا ہر لمحہ مجھ کو کس قدر تنہا لگا

شبنمی آنکھوں سے چھلکے اشک جب رخسار پر
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا دل اس قدر دھچکا لگا

باندھ کر میں نے رگِ جاں سے اسے رکھا تو تھا
جب جدا ہونے لگی تب دل کو اک جھٹکا لگا

جاتے جاتے دے گئی دانشؔ مجھے یادوں کے پھول
وقتِ رخصت نکہتِ گل کا کوئی جھونکا لگا

☆

کیا تم نے کہہ دیا دلِ خانہ خراب سے
لینے لگا ہے لطف سکوں اضطراب سے

ڈرتا نہیں ہے کوئی جو روزِ حساب سے
بچ کر کہاں وہ جائے گا آخر عذاب سے

وہ کیا کریں گے گردشِ دوراں کا سامنا
کرنے لگے ہیں غسل جو آبِ گلاب سے

میں تو چھپا رہا ہوں غمِ عشق دوستو
ڈرتا ہوں کھل نہ جائے کہیں اضطراب سے

ایسے جنونِ عشق کے ماروں کو کیا کہیں
شبنم[۱] نچوڑتے ہیں رگِ آفتاب سے

اے جانِ آرزو مرے گلزارِ شوق میں
یہ رنگ و نور آیا ہے تیرے شباب سے

میرے سجودِ شوق کا دیکھے کوئی کمال
رحمت کے پھوٹ نکلے ہیں دھارے عتاب سے

دانشؔ ہماری جس میں مکمل تھی داستاں
غائب وہی ورق بھی ہوا ہے کتاب سے

۱؎ مصرعہ طرح

☆

ابھی ماضی میں جو ناداں تھے میرے گرد رقصیدہ
وہی اب سامنے آئے ہیں میرے بن کے فہمیدہ

ذرا کچھ تو کرو شیخ و برہمن ہو کے سنجیدہ
وطن کے ہوگئے ہیں اب مسائل کتنے پیچیدہ

چمن کی باغبانی اُف یہ کس کم ظرف کو سونپی
لہو سے جس کو سینچا تھا وہی غنچے ہیں تفتیدہ

کبھی شہرِ خموشاں کی طرف کیجے نظر واعظ
وہاں جا کر یقیناً آپ ہوجائیں گے نم دیدہ

چمن کو کون اے اہلِ چمن برباد کرتا ہے
کبھی سوچا نہیں ہے تم نے شاید ہو کے سنجیدہ

بھرم مے خانے کا وہ رِند کیا رکھیں گے اے ساقی
نہ ہوں جن کے قدم پی کر ذرا اک لمحہ لغزیدہ

وہی برباد کر ڈالیں گے اک دن سارے گلشن کو
کیا کرتے ہیں جو سرگوشیاں دن رات پوشیدہ

جہاں ہے کثرتِ زر جاہ و ثروت کی فراوانی
وہیں کچھ لوگ تشنہ لب ہیں آزردہ و رنجیدہ

سیاست کا بھرم مل جائے گا سب خاک میں اس دن
صداقت ہوگئی جس روز یہ بیدار خوابیدہ

مٹایا جا رہا ہے آج کل نام و نشاں ان کا
ابھی شمس و قمر تھے جن کے ہالہ اور گرویدہ

نہیں ہے دوستو اس دور میں جائے اماں کوئی
وطن کی خاک کا ہر ذرہ ہے اس وقت شوریدہ

نظامِ باغبانی آج ہے حیرت زدہ توبہ
کسی پہ گل کی بارش کوئی بوئے گل کا ترسیدہ

سمندر منجمد، ساکت فلک ہے دورِ باطل میں
ہے یوں دانشؔ فراہی آج تو عالم ہی ژولیدہ

☆

تاریکیاں بھی نور دکھاتی ہیں آج کل
ذرے کو آفتاب بناتی ہیں آج کل

ہاتھوں کی دیکھیے تو ذرا غور سے لکیر
آثار زلزلے کا بتاتی ہیں آج کل

بستی کو اپنی کیسے بچائے گا اب کوئی
شبنم کی بوندیں آگ لگاتی ہیں آج کل

شعلہ بدوش تھیں جو فضاؤں میں بجلیاں
شہروں میں اب وہ کوندتی آتی ہیں آج کل

کیسا یہ دور آیا کہ تفریق کا سبق
بچوں کو مائیں یاد کراتی ہیں آج کل

گلچیں تو گلستاں پر ستم ڈھا رہا ہے خود
یہ تتلیاں بھی فتنے اٹھاتی ہیں آج کل

نقشِ کہن مٹا کے یہ نفرت کی بجلیاں
تعمیرِ نو کا شور مچاتی ہیں آج کل

دانشؔ فراہی کیسے بسر ہوگی زندگی
آنکھیں لہو کے اشک بہاتی ہیں آج کل

☆

عجیب بات ہے کہتا ہے وہ برا مجھ کو
سمجھ رہا تھا ابھی تک وہی بھلا مجھ کو

مرے لہو کی چمن کو ابھی ضرورت ہے
ابھی اے برقِ حوادث نہ یوں جلا مجھ کو

سزائے موت مری سن کے مسکرا دینا
بہت پسند ہے تیری یہی ادا مجھ کو

تمام عمر گذاری ہے خواب میں میں نے
ضیائے[1] صبح حقیقت کبھی جگا مجھ کو

ہر ایک شخص یہاں اجنبی سا لگتا ہے
ملا نہ آج تلک کوئی آشنا مجھ کو

نہیں ہے شوق کوئی دل میں جاہ و ثروت کا
کسی کی چاہیے ہر وقت بس دعا مجھ کو

نگاہِ برق صفت دیکھنا کبھی اس کی
جلا کے کر نہ دے دانشؔ کہیں فنا مجھ کو

۱؎ مصرعہ طرح

☆

کر دیجیے اک بار کبھی ہم پہ نظر بھی
لے لیجیے دل اور مرا خونِ جگر بھی

اب گھر کے دریچے کو کھلا رہنے ہی دیجے
شاید کہ کوئی موجِ صبا آئے ادھر بھی

انجم تو بڑی چیز نہیں میں تری خاطر
زلفوں میں سجا دوں گا تری شمس و قمر بھی

سرمایۂ امید تو وہ لے گیا میرا
اب چھین لی ہے مجھ سے مری شام و سحر بھی

اک حشر سا برپا نہ رہے کیسے ہے ممکن
ہے جب کہ اسی شہر میں فرعون کا گھر بھی

جو حوصلۂ صدق سے ہوتا ہے طلب گار
ملتے ہیں اسی شخص کو پھر لعل و گہر بھی

جس راہ پہ ہم نے تمھیں آواز نہ دی ہو
ایسی تو نہیں ہوگی کوئی راہ گذر بھی

جب کر ہی دیا خود کو ستمگر کے حوالے
مرضی ہے وہ لے جائے مجھے چاہے جدھر بھی

ہے اب کے سجی تیری غزل گوہرِ فن سے
مداح ہیں دانش ترے اربابِ ہنر بھی

☆

یہ سوچنا فضول ہے کہ کس کو کیا لگے
حق بات کہہ دو چاہے کسی کو برا لگے

ڈرتا ہوں التفاتِ نظر سے میں آپ کے
جتنے کرم ہیں آپ کے ہم کو سزا لگے

ہم پہ تو مے کشی کا تھا الزام آج تک
اب کیوں جنابِ شیخ کو ہم پارسا لگے

قاتل ہی جب ملیں گے محافظ کے بھیس میں
قاتل کا پھر بتاؤ کہ کیسے پتا لگے

سازش ہمارے اپنے ہی کرنے لگے ہیں جب
کیسے ہمارے قتل کی ہم کو ہوا لگے

اپنے عیوب کو تو کوئی دیکھتا نہیں
ہر شخص چاہتا ہے کہ دانش بھلا لگے

☆

آئے تھے مرے شہر کو جب لوگ جلانے
میں بھی تھا اسی روز چلا گھر کو سجانے

تھا امن بہت شہرِ نگاراں میں سنا ہے
فتنے تو اٹھائے ہیں بہت رنگِ حنا نے

تھا ناز جنھیں جلوہ نمائی کا ابھی تک
پردے میں انھیں لے ہی لیا آج حیا نے

الزام سراسر ہے غلط برقِ تپاں پر
برباد تو گلشن کو کیا بادِ صبا نے

ٹھہراتے ہیں کیوں آپ مجھے موردِ الزام
چنگاری کو شعلہ تو بنایا ہے ہوا نے

کیا ہوگا شفایاب بھلا دوستو کوئی
زخمی جو دلوں کو ہے کیا ان کی ادا نے

مفہوم غزل کا جنھیں معلوم نہیں ہے
دانشؔ ہیں چلے آج غزل ان کو سنانے

☆

آنے کے لیے کہہ کر وہ گئے شاید انھیں آنا یاد نہیں
وہ ساتھ نبھائیں گے کیوں کر وعدہ ہی نبھانا یاد نہیں

اب اوجِ ثریا پہ ہیں قدم تو بھول گئے وہ راہِ وفا
ہم دونوں ہی تھے کل زنداں میں کیا شانہ بشانہ یاد نہیں

یوں ڈھائے گئے ہیں دل پہ ستم ہم بھول گئے سب رنج والم
اب کوئی کہانی یاد نہیں اب کوئی فسانہ یاد نہیں

چرچا تھا بہت کل گھر گھر میں ہم سا تو نہیں رہبر کوئی
پر ظلم کی آندھی ایسی چلی خود اپنا ٹھکانہ یاد نہیں

کرتا ہے عدو جب مشقِ ستم ہو جاتی ہیں غم سے آنکھیں نم
حسرت بھرا دل یہ کہتا ہے اب کوئی ترانہ یاد نہیں

ہم چھوڑ چکے سب رسمِ وفا یہ ان کی جفا کا عالم ہے
وہ برق گرانا بھول گئے گھر ہم کو سجانا یاد نہیں

یہ شوقِ نظارہ میرا ہے کہ ہٹتی نہیں چلمن سے نظر
اندازِ ستم ان کا دیکھو پردہ بھی اٹھانا یاد نہیں

خود جنبشِ ابرو سے جن کی ہو جاتے تھے کتنے تن بے سر
نازاں تھا زمانہ جن پہ بہت دانشؔ وہ زمانہ یاد نہیں

☆

چند لمحوں تک نہ سمجھو میں رہوں گا منتظر
میں کروں گا انتظارِ یار اب تو عمر بھر

دے گیا وہ زخم کاری آپ کا تیرِ نظر
عمر بھر اب بھر نہیں سکتا مرا زخمِ جگر

تیرگی ہی تیرگی ہر سمت آئے گی نظر
جب کبھی بکھراؤ گے تم اپنی زلفیں کھول کر

آپ ہی کے واسطے ہیں بابِ دل کھولے ہوئے
جب بھی چاہیں آپ آئیں دل میں بے خوف وخطر

تب سے نفرت ہوگئی ہے مجھ کو اپنے آپ سے
جب وہ چپکے چپکے رویا خط ہمارا پھاڑ کر

یوں تو سارے شہر میں ہے دھوم میرے فن کی آج
دیکھیے کیا گل کھلاتا ہے مرا رنگِ ہنر

کیا محبت کا یہی دستور ہے دانشؔ یہاں
لے لیا دل کا سکوں اور دے دیا دردِ جگر

☆

مجھ سے کبھی نہ اس نے کی تھی اتنی بات اکیلے میں
جتنی باتیں غم نے کی ہیں ساری رات اکیلے میں

آئیں کسی دشمن پہ کبھی نہ یوں حالات اکیلے میں
جیسے ہیں گذرے فرقت کے ہم پہ لمحات اکیلے میں

میں ہوں راہی پیار کا یارو پیار ہی میرا مذہب ہے
لے جاتے تم پیار کی مجھ سے کچھ سوغات اکیلے میں

دنیا کے تو لاکھ خدا ہیں میرے لیے بس ایک ہی تو
ایک ہے یا رب ساتھ ہمارے تیری ذات اکیلے میں

عرش بھی لغزیدہ ہوتا ہے کانپ زمیں بھی جاتی ہے
جب ہوتی ہے غم کی آنکھوں سے برسات اکیلے میں

ٹوٹ پڑیں رحمت کی گھٹائیں اس دن مجھ پہ اے ہمدم
جس دن ماں نے سر پر رکھا اپنا ہاتھ اکیلے میں

ہائے رے انساں کی مجبوری کیا کیا دکھ سہہ جاتے ہیں
دل میں دبا کے ہم نے رکھے سب جذبات اکیلے میں

ہم پہ ٹوٹے کتنے ستم اے اہلِ خرد کیا تم سے کہیں
گذرے بہت ہیں سر سے مرے اکثر آفات اکیلے میں

خوشیاں تو ہیں فانی دانشؔ ان پہ بھروسہ کیا کرنا
غم ہی ہے اک ساتھی اپنا جو ہے ساتھ اکیلے میں

☆

لاکھ پردے میں چھپا کر رکھ تو اپنے کو مگر
دیکھتا رہتا ہوں میں جلوہ ترا شام و سحر

اب کوئی ہم کو نظر آتی نہیں راہِ مفر
ہم تمہارے آستاں کو چھوڑ کر جائیں کدھر

آزما لو جیسے چاہو ہم کو اے اہلِ چمن
کٹ تو سکتا ہے مگر اب جھک نہیں سکتا یہ سر

حق و باطل کو بہم ہونے نہیں دیں گے کبھی
چاہے رکھ دو ہاتھ میں لا کر مرے شمس و قمر

دولتِ ایماں مجھے جب سے ملی ہے ناصحہ
ہیچ لگتے ہیں مری نظروں میں اب لعل و گہر

اب خدا تو ہی محافظ کارواں کا ہے مرے
کل تلک جو راہزن تھے اب وہی ہیں راہبر

ٹوٹ کر برسیں گی رحمت کی گھٹائیں ایک دن
ہے دعاؤں میں ہماری دوستو اتنا اثر

حق کی عظمت کا ابھی باطل کو اندازہ نہیں
ہیں سبھی تابع اسی کے کیا فلک کیا بحر و بر

جس کے چہرے سے تصنع ہی تصنع ہو عیاں
ہو نہیں سکتا کبھی وہ شخص یارو معتبر

اتقاء پر ناز مت کر خلد میں جائیں گے ہم
جاتے جاتے سن لے زاہد بات میری مختصر

سو گیا اس وقت میں جب دی مؤذن نے اذاں
اس کو ویسے یاد تو کرتا رہا میں رات بھر

کیا یہی وہ ہے گناہوں میں بسر کی جس نے عمر
دیکھ کر حیران ہیں سب خلد میں دانشؔ کا گھر

☆

اکثر کرم وہ کرتے ہیں ہم پر جفا کے بعد
لیکن وفا ہی کرتے رہے ہم وفا کے بعد

پہلے تو گویا مصر کا بازار تھا یہ دل
آیا نہ دل میں پھر کوئی جانِ ادا کے بعد

مشقِ ستم تو کرتے رہیں ہم پہ شوق سے
اچھا نہیں کہ آپ سزا دیں خطا کے بعد

ہم پہ کرم کے بعد تو کرتے ہیں وہ ستم
بادِ سموم چلتی ہے بادِ صبا کے بعد

چاہے خوشی کا دور ہو یا غم کی ہو فضا
تیرا ہی نام لب پہ ہے نامِ خدا کے بعد

اندازِ التفات بھی ان کا عجیب ہے
دیتے رہے ہیں زہر وہ ہم کو دوا کے بعد

شمس و قمر کی ہو کہ ہو انجم کی روشنی
ہے ہیچ سب نگاہوں میں تیری ضیاء کے بعد

آئی صدا حرم سے تو دل میں اتر گئی
آئی صدا نہ پھر کوئی ایسی صدا کے بعد

کہنے لگے ہیں شیخ جی دانشؔ کو دیکھ کر
ایسا ملا نہ کوئی بھی اس پارسا کے بعد

☆

کہیں بیٹھا ہے کیا راہوں میں رہزن
جو بڑھتی جا رہی ہے دل کی دھڑکن

ابھی تو آگ برساتا ہے ساون
ابھی تو زد میں ہے شعلوں کی تن من

چمن کو کر دیا خوں دے کے روشن
چمن والے ہیں پھر بھی ہم سے بدظن

اگر تم چھوڑ دو گے حق کا دامن
نہیں جائے گی یہ تا عمر الجھن

جسے دل میں جگہ دی میں نے اپنے
وہی ہے جاں کا میری آج دشمن

ہوئی ہے کیا کہیں صحرا میں بارش
پڑا ہے خشک جو یہ میرا آنگن

دیا ہے تو نے ہی اذنِ محبت
تو پھر ہے آج ہم پہ کیسی قدغن

یہ میرا شوقِ نظّارہ تو دیکھو
کہ اٹھتی جارہی ہے خود سے چلمن

بچے گی کس طرح سیتا کی عزت
جسے دیکھو وہی لگتا ہے راون

پڑے ہیں پھول قدموں میں کسی کے
کسی کا ہے بھرا خاروں سے دامن

کوئی دشمن نہیں میری نظر میں
سمجھتے ہیں مجھے کیوں لوگ دشمن

روش اپنی اگر بدلی نہ یارو
تو جل کر خاک ہوجائے گا گلشن

لیے پھرتے ہیں جو ہاتھوں میں پتھر
انھیں کے واسطے لایا ہوں درپن

زمانہ کہہ رہا ہے جس کو پھریہا
وہی دانشؔ فراہی کا ہے مسکن

☆

بزعمِ خود وہ اپنے کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں
زمانے بھر کو مٹی خود کو بس سونا سمجھتے ہیں

خدا جانے وہ ہم کو دوستو کیسا سمجھتے ہیں
جنھیں ہم مندروں کے دیوتا جیسا سمجھتے ہیں

فقط یہ بات میری ہی نہیں کہتی ہے یہ دنیا
جو اچھے ہیں وہ ہر انسان کو اچھا سمجھتے ہیں

ہمارے شہر کے فرعون زادوں کا ہے یہ عالم
کہ پانی سے زیادہ خون کو سستا سمجھتے ہیں

عمل تو ایک بھی کرتے نہیں اس کے فرائض پر
خدا کا صرف اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں

اجازت ہوتو ہم بھی ڈوب کر دیکھیں کبھی اس میں
تمہاری سرمگیں آنکھوں کو سب دریا سمجھتے ہیں

وفا کے بعد بھی الزامِ غداری ہمیں پر ہے
بہت افسوس ہے جو آپ بھی ایسا سمجھتے ہیں

تمہارا یہ حسیں نازک بدن صندل سے کیا کم ہے
رخِ زیبا تمہارا پھول کے جیسا سمجھتے ہیں

خدا ہے ساتھ میرے یہ نہیں معلوم ہے ان کو
ہمیں جو ناخدا کم ظرف یہ تنہا سمجھتے ہیں

ہمارے دل میں آنا اور آ کے یوں گزر جانا
ہمارے دل کو یہ جیسے کوئی رستہ سمجھتے ہیں

محبت ہو حرم سے یا کہ بت خانہ سے ہو واعظ
عبادت کا محبت ہی کو سر چشمہ سمجھتے ہیں

برے لوگوں میں اب تک نام تھا اس کا سرِ فہرست
سنا ہے آج دانشؔ کو سبھی اچھا سمجھتے ہیں

☆

سنا ہے ہاتھ میں اس کے بھی جام ہے شاید
وہی جو قوم کا اپنی امام ہے شاید

سمجھ کے رکھنا ذرا پاؤں طائرو اس میں
یہاں تو دانہ نہیں صرف دام ہے شاید

کبھی بھی ایسی خبر ہم نے تو پڑھی نہ سنی
تمہارے وقت ہی میں قتلِ عام ہے شاید

جو دل ہے آج بھی شوقِ سجود سے محروم
وہ دل نہیں ہے بتوں کا مقام ہے شاید

جدھر بھی دیکھیے ہاتھوں میں آج ہے شمشیر
ہمارے واسطے ہی بے میان ہے شاید

کروں گا صبحِ بہاراں کی میں تمنا کیا
مرے نصیب میں اب غم کی شام ہے شاید

نہیں ملا جو مقامِ عبودیت اس کو
وہ اپنے نفس کا اب تک غلام ہے شاید

جہاں پہ جا کے ہو انسان خود بہ خود تائب
وہی اک اعلیٰ و ارفع مقام ہے شاید

پیامِ امن محافظ جو دے رہے ہیں ہمیں
ہمارے قتل کا یہ انتظام ہے شاید

وہ کوئی حال ہو نفرت ہو یا محبت ہو
تمہارے لب پہ ہمارا ہی نام ہے شاید

ملی نہ داد تمہیں آج بزم میں دانشؔ
تمہارا فن یہ ابھی نا تمام ہے شاید

☆

تیرے مے خانے میں گل کیسا کھلا ہے ساقی
رند تو رند ہیں زاہد بھی فدا ہے ساقی

آج وہ کون سی مے تو نے پلائی ہے انھیں
جس کو دیکھو وہی مدہوش پڑا ہے ساقی

تشنگی تو نے بجھائی نہ کسی کی اب تک
لاکھ مے خانہ ترا مے سے بھرا ہے ساقی

کوئی پی کر ہوا بدمست کوئی تشنہ دہن
خوب اندازِ عنایت یہ ترا ہے ساقی

سب کے سب یکساں ہیں مے خانے میں کیا شاہ وگدا
کوئی اچھا نہ یہاں کوئی برا ہے ساقی

ایک تیرا ہی نہیں اور بھی مے خانے ہیں
سارے مے خانوں کا کیا تو ہی خدا ہے ساقی

چھو کر آئی ہے تری زلفِ معنبر شاید
اس قدر مست یہ جو بادِ صبا ہے ساقی

میکدے لاکھوں ہیں دنیا میں مگر پھر کیوں یہ
تیرے میخانے کی مے سب سے جدا ہے ساقی

کیا فرشتہ صفت آیا ہے کوئی آج یہاں
حشر مے خانے میں جو اتنا بپا ہے ساقی

تو نے میخانے سے اپنے جو نکالا ہے مجھے
کیا محبت کا یہی میری صلہ ہے ساقی

مے کشی ہوتی ہے کیا چیز بتا دوں گا تجھے
لا پلا دے تو مجھے جو بھی بچا ہے ساقی

پھیر لیں میری طرف سے جو نگاہیں تو نے
اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور سزا ہے ساقی

فکر میخانے سے جانے کی نہیں ہے مجھ کو
تو سلامت رہے بس میری دعا ہے ساقی

کیا کروں آنکھوں سے پینے کا اثر ہی کچھ ہے
اپنے دانشؔ سے جو تو اتنا خفا ہے ساقی

☆

دیکھا یہ حق کی راہ میں آ کر کبھی کبھی
پسپا ہوئے ہیں ظلم کے پیکر کبھی کبھی

مغرور آپ وقت پر اتنا نہ ہوئیے
پل میں بدل گئے ہیں مقدر کبھی کبھی

کرتے ہیں ناز حسن پر کیوں آپ اس قدر
ہوتا ہے خاک حسن کا پیکر کبھی کبھی

کیسے بھلا کسی پہ بھروسہ کرے کوئی
پھولوں میں جب کہ ملتے ہیں پتھر کبھی کبھی

حسنِ خلوص پر مرے کرتا ہے جب نظر
ہوتا ہے خود خفیف ستمگر کبھی کبھی

بنیے نہ چند سکّوں پہ مغرور اس قدر
ہوجاتے ہیں فقیر تونگر کبھی کبھی

دربارِ ایزدی میں جھکا کر سرِ نیاز
دیکھا ہے میں نے روتے تھے اخترؔ[۱] کبھی کبھی

شہرِ سخن میں دوستو دانشؔ کو دیکھیے
ملتے ہیں ایسے قیمتی گوہر کبھی کبھی

۱؎ استاد اختر مسلمی

☆

جنوں کو ذرا مسکرا لینے دیجے
خرد کو بھی آنسو بہا لینے دیجے

محبت مری آزما لینے دیجے
انھیں برق مجھ پر گرا لینے دیجے

مجھے خار کا خوف مطلق نہیں ہے
گلوں سے تو دامن بچا لینے دیجے

جنھیں ناز ہے خوش نصیبی پہ اپنی
انھیں بھی ذرا غم اٹھا لینے دیجے

وہ بحرِ محبت میں ڈوبیں گے خود ہی
ابھی ان کو طوفاں اٹھا لینے دیجے

تُلی کیوں ہے برباد کرنے ہمیں کو
یہ برق و شرر کو بتا لینے دیجے

ابھی شمع روشن نہ محفل میں کیجے
ذرا اپنے دانش کو آ لینے دیجے

☆

یہ ثابت ہو کیسے بھلا بے گناہی
کہ قاتل ہی دینے لگے ہیں گواہی

پریشاں ہیں کیوں لوگ سن کر منادی
نیا حکم کیا دیں گے ظلِ الٰہی

صداقت میں ایسا ہے وہ راز پنہاں
مٹا دے جو دنیا سے دورِ تباہی

مری جرأتوں پر تمھیں کیوں ہے حیرت
میں دینِ مبیں کا ہوں ادنیٰ سپاہی

قیامت بہت جلد ہے آنے والی
یہ کہہ دو زمانے سے دانشؔ فراہی

☆

چمن کو تو خود ہی جلاتے ہو ناصح
اور الزام ہم پر لگاتے ہو ناصح

نظر اپنا کردار آتا نہیں ہے
ہمیں خوابِ جنت دکھاتے ہو ناصح

جہاں سے ابھی کل نکالے گئے تھے
وہیں آج ہم کو بلاتے ہو ناصح

مرے عیب پر وعظ فرما رہے ہو
عیوب اپنے لیکن چھپاتے ہو ناصح

سکوں شہر کا چھین کر آج کل تم
بہت اب تو فتنے اٹھاتے ہو ناصح

نظر اپنے دامن پہ جاتی نہیں ہے
مرا دامنِ تر دکھاتے ہو ناصح

☆

کوئی اور مجھ سے بیاں اب نہ لیجے
مرے صبر کا امتحاں اب نہ لیجے

یہ برباد کردیں گی سارے چمن کو
کسی کی بھی آہ و فغاں اب نہ لیجے

بدل جائے گا کل وہ اپنی زباں سے
ہے بہتر کہ اس سے زباں اب نہ لیجے

کریں اب تو کچھ فکر دانشؔ وہاں کی
زمانے سے کچھ بھی یہاں اب نہ لیجے

☆

تری نظر سے جو چھلکے گلاب ہو جائے
نقاب اٹھے تو چہرہ کتاب ہو جائے

یہ داغ دل کا اگر آفتاب ہو جائے
تو رنگ و نور سے دنیا شہاب ہو جائے

سنا ہے بت وہ اگر بے نقاب ہو جائے
تو زاہدوں کا بھی ایماں خراب ہو جائے

عجیب بات ہے ساقی کی چشمِ نیگوں میں
نظر جو ڈال دے پانی شراب ہو جائے

ذرا ٹھہر جا اجل چند ساعتوں کے لیے
ستمگروں کے ستم کا حساب ہو جائے

وہ حسن جس کی سحر آفرینیاں توبہ
جہاں میں پھر نہ کوئی انقلاب ہو جائے

یہ سوچ پہلے مٹانے سے حق پرستوں کو
غرور تیرا نہ باطل حباب ہو جائے

امنڈ پڑے ہیں مرے اشک اُف معاذ اللہ
یہ رازِ عشق نہ اب بے حجاب ہو جائے

وہ چاند جس پہ نظر ہے تمام عالم کی
الٰہی ایسا نہ وہ ماہتاب ہو جائے

کروں گا میں تو فدا اس پہ جان و دل دانشؔ
مگر ہے شرط کہ وہ ہم رکاب ہو جائے

☆

ہمیشہ حق کی رہتی ہے اسی چہرے پہ تابانی
کبھی جھکتی نہیں ہے غیر کے آگے جو پیشانی

نظر جو آرہی ہے ذرے ذرے میں درخشانی
یہ میرے خونِ دل کی ہے گلستاں میں گل افشانی

تغافل جس کی فطرت ہو ستم ہی جس کا شیوہ ہو
بھلا کیا قتل پہ میرے اسے ہوگی پشیمانی

تم آؤ یا نہ آؤ پاس میرے غم نہیں مجھ کو
تمہاری یاد تو کرتی رہے گی آ کے مہمانی

وہاں سے جا کے واپس آ چکے ہیں ہم بہت پہلے
جہاں پر آج تک پہنچی نہیں ہے فکرِ انسانی

جگر کا خون دینا پہلے تو اہلِ چمن سیکھو
چمن میں پھول کھل سکتے نہیں ہیں یوں بہ آسانی

جنونِ عشق کے ماروں پہ اس دن میں بہت رویا
ہنسے تھے دیکھ کر اہلِ خرد جب چاک دامانی

بدل کر رنگ لاکھوں کیوں نہ یہ آئیں مرے گھر میں
ہماری سب کی سب یہ آفتیں ہیں جانی پہچانی

قفس کے ٹوٹنے کے بعد تو آزاد ہم بھی ہیں
چمن میں کیوں کرے دانشؔ تمہاری کوئی نگرانی

☆

گذرتی جا رہی ہے جیسے شب آہستہ آہستہ
تو بڑھتی جائے ہے دل کی طلب آہستہ آہستہ

نکھرتا جا رہا ہے حسن جب آہستہ آہستہ
ہوا جاتا ہے خود ہی با ادب آہستہ آہستہ

خدا را جائزہ تو لیجیے کردار کا اپنے
مٹا جاتا ہے کیوں نام و نسب آہستہ آہستہ

تصور میں مرے ہوتا نہیں جب دوسرا کوئی
مرے دل میں وہ آجاتے ہیں تب آہستہ آہستہ

دعاؤں میں اثر ہوگا فضا بدلے گی دنیا کی
کھلیں گے بے کسوں کے بند لب آہستہ آہستہ

گذر جاتے ہیں بس پل بھر میں دن لطف و مسرت کے
مگر کٹتی ہے رنج و غم کی شب آہستہ آہستہ

خدا بہرِ کرم چشمِ کرم ہو جلد دانشؔ پر
کہ ہوتا جا رہا ہے جاں بلب آہستہ آہستہ

☆

گو دل کا اپنے حال بیاں کرتے ہم نہیں
طوفاں جو دل میں ہے وہ قیامت سے کم نہیں

ساقی نے تشنہ کام رکھا مجھ کو غم نہیں
اس کا بھرم گیا ہے یہ میرا بھرم نہیں

میں وہ ہوں سنگِ میل جو منزل کا دے پتا
غیروں کی طرح وقت کا نقشِ قدم نہیں

وہ کون سا ہے دن ہمیں خود ہی بتایئے
جس دن کہ آپ کرتے ہیں ہم پہ ستم نہیں

آنے نہ دیں گے آنچ نشیمن پہ ہم کبھی
مٹ جائیں ہم بھلے ہی ہمیں اس کا غم نہیں

دل جل رہا ہے آتشِ غم سے مرا مگر
یہ دیکھیے کہ آنکھ مری پھر بھی نم نہیں

کہنے لگے ہیں رند کہ آپ آ گئے کہاں
اے شیخ میکدہ ہے یہ صحنِ حرم نہیں

مشہور شاعروں کی ہے فہرست گو طویل
دانشؔ فراہی آپ کی شہرت بھی کم نہیں

☆

جب چلا گھر کو جلانے وہ مرے
ہوگیا خود شعلۂ آتش اداس

گلستاں کی دیکھ کر حالت مرے
باغباں کی ہوگئی کاوش اداس

دیکھ کر اس شوخ کے رخسار کو
ہوگئی خورشید کی تابش اداس

جب ہمارے قتل کا آیا خیال
آپ کی سب ہوگئی سازش اداس

آگئی پھر کیا کہیں قاتل کی یاد
آپ جو ہیں اس قدر دانشؔ اداس

☆

دشمن بنی ہوئی جو مرے آشیاں کی ہے
برقِ تپاں خلش تجھے آخر کہاں کی ہے

بے چارگی جو آج دلِ ناتواں کی ہے
شاید نگاہِ لطف اسی مہرباں کی ہے

آج آ رہا ہے کون بڑی آن بان سے
چادر جو شام ہی سے تنی کہکشاں کی ہے

دنیا کے اور ملک میں وہ بات ہے کہاں
جو بات دوستو مرے ہندوستاں کی ہے

مائل بہ ارتقاء ہے تعصب کے باوجود
یہ بھی عجب ادا مری اردو زباں کی ہے

مانا کہ ہے یہ وادیٔ کشمیر دل فریب
لیکن کچھ اور بات مرے گلستاں کی ہے

ٹوٹے ہیں ہم پہ آج مصیبت کے جو پہاڑ
دانشؔ یہ کارسازی فقط آسماں کی ہے

☆

ہم نے تمام عمر اسی کا بھلا کیا
جس نے کبھی نہ بھول کے ہم سے وفا کیا

ہر اک قدم پہ آپ نے مجھ پر جفا کیا
لیکن کبھی نہ میں نے زباں سے گلہ کیا

کوشش تو کی بجھانے کی باطل نے بار بار
پھر بھی چراغ حق کا ہمیشہ جلا کیا

جو آج عرضِ غم پہ سزا دی گئی مجھے
مشکور میں ہوں آپ نے کچھ تو عطا کیا

ہم دوستی کا ہاتھ بڑھاتے رہے مگر
الزام دشمنی کا ہمیشہ لگا کیا

جس کو متاعِ جان و جگر میں نے دے دیا
حق اس نے دوستی کا مری کیا ادا کیا

جلووں میں ان کے کھو گئی آنکھوں کی روشنی
دانشؔ جو دیکھنے کا کبھی حوصلہ کیا

☆

بندھ کے ہر آس مری ٹوٹ گئی ہے یارو
جیسے تقدیر ہی اب روٹھ گئی ہے یارو

اب تو جینے میں کوئی لطف نہیں ہے باقی
زندگی بھی مری اب روٹھ گئی ہے یارو

دامنِ آس فقط چھوٹا نہیں ہے مجھ سے
مجھ سے ہر شے ہی مری چھوٹ گئی ہے یارو

ایک تقدیر ہی جینے کا سہارا تھی مرے
وہ بھی تقدیر مری پھوٹ گئی ہے یارو

گردشِ وقت نے کیا کیا نہ ستم ڈھائے ہیں
نامِ دانش بھی مرا لوٹ گئی ہے یارو

☆

جب بھی کوئی نصاب آئے گا
اور بھی سخت باب آئے گا

کیا کبھی پھر شباب آئے گا
گذرے لمحوں کا خواب آئے گا

مہ جبینوں کو یاد کرتے رہو
پھر رخِ ماہتاب آئے گا

حرف آئے گا آبرو پہ اگر
مری آنکھوں میں آب آئے گا

کچھ کرو اور انتظار ابھی
ایک دن وہ جناب آئے گا

لاکھ زلفیں سنوارو تم اپنی
اس میں تو پیچ و تاب آئے گا

ایک دن وہ ہماری محفل میں
دیکھنا بے نقاب آئے گا

دھڑکنیں کہہ رہی ہیں یہ دل کی
آج خط کا جواب آئے گا

بدلی بدلی سی فضا ہے ہر سو
کیا کوئی انقلاب آئے گا

کیا کریں گے یہ سوچیے دل میں
جب کہ روزِ حساب آئے گا

جو بھی کرنا ہے جلد کر لیجے
پھر نہ دانشؔ شباب آئے گا

☆

ذرا دیکھے تو کوئی آ کے منظر آتشِ غم کا
کہ جس کے سامنے فق رنگ ہو جائے جہنم کا

تری بخشی ہوئی مے کی عجب تاثیر ہے ساقی
مسلماں بھی اسے پیتے ہیں لے کر نام زم زم کا

سمندر ہوں تمھیں میں غرق کردوں گا سنبھل جاؤ
بظاہر دیکھنے میں صرف اک قطرہ ہوں شبنم کا

وہیں لے چل مجھے موجِ نسیمِ صبح آ کر تو
جہاں آہ و فغاں ہو اور نہ ہنگامہ ہو ماتم کا

حوادث لاکھ آئیں کچھ نہیں پروا مجھے دانشؔ
نگوں سر ہو نہیں سکتا کبھی بھی میرے پرچم کا

☆

شاید کہ انھیں یاد مری آئی ہوئی ہے
کیوں آج طبیعت مری گھبرائی ہوئی ہے

کیا آج جوانی پہ بہار آئی ہوئی ہے
بکھرے ہوئے گیسو ہیں گھٹا چھائی ہوئی ہے

الجھے ہوئے اس میں ہیں زمانے کے مسائل
جو زلف تری سیکڑوں بل کھائی ہوئی ہے

پوچھے تو کوئی ڈھائے ہیں گلچیں نے ستم کیا
ہر ایک کلی شاخ پہ مرجھائی ہوئی ہے

وہ سیر چمن کے لیے آئے ہیں کہ دانشؔ
گلشن میں کوئی تازہ بہار آئی ہوئی ہے

☆

نظامِ مے کدہ بدلے گا اے پیرِ مغاں کب تک
رہیں گے رند آخر جاں بلب تشنہ دہاں کب تک

الٰہی کوئی صورت اب نظر آتی نہیں ہم کو
رہیں گے دورِ باطل میں بھلا ہم بے زباں کب تک

یقیں مانو بہت دشوار کارِ نا خدائی ہے
یوں ہی کرتے رہو گے غرق آخر کشتیاں کب تک

عجب کیا ہے جو اپنے ہاتھ میں تیغ و سنا لے لیں
یہاں بے آبرو ہوں گی بہن اور بیٹیاں کب تک

ذرا یہ تو بتا دیجے ستم کی حد بھی ہے کوئی
جلیں گی آپ کے ہاتھوں ہماری بستیاں کب تک

خلوص و پیار میں نفرت جو بوئی ہے رقیبوں نے
رہیں گی دوریاں یارو ہمارے درمیاں کب تک

ہوا کرتی ہے کوئی حد بھی صبر و ضبط کی آخر
سناؤ گے تم اس کو اپنے غم کی داستاں کب تک

ہمارے خوں کے چھینٹے ہیں بہ آسانی نہ جائیں گے
دھلو گے اپنے دامن کے لہو کی سرخیاں کب تک

ذرا تاریخ کے اوراق بھی دیکھو الٹ کے تم
بھلا لو گے وفاؤں کا ہماری امتحاں کب تک

ہمارے صبر کی بھی انتہا ہوگی کبھی یارو
ستم ڈھاتا رہے گا یوں ہی ہم پہ آسماں کب تک

الٰہی اہلِ دانشؔ کو قیادت اب عطا کر دے
مٹائیں گے یہاں اہلِ جنوں آبادیاں کب تک

☆

نویدِ صبح سناؤ بہت اندھیرا ہے
ابھی نہ دوستو جاؤ بہت اندھیرا ہے

علاجِ تیرہ شبی کا تو کچھ کرو یارو
کسی کا گھر ہی جلاؤ بہت اندھیرا ہے

برا ضرور ہوں لیکن برا نہیں دل کا
ابھی نہ روٹھ کے جاؤ بہت اندھیرا ہے

رہے گا ماہِ درخشاں حجاب میں کب تک
نقاب رخ سے اٹھاؤ بہت اندھیرا ہے

دیا امید کا رہنے دو دوستو روشن
اسے ابھی نہ بجھاؤ بہت اندھیرا ہے

شبِ فراق کی دانشؔ یہ تیرگی کب تک
چراغ دل کا جلاؤ بہت اندھیرا ہے

☆

ہوا بھی نہ چھو پائی زلفوں کو تیری
حیا تھک گئی با حیا کہتے کہتے

مرے خون سے لال کر کے ہتھیلی
وہ خوش ہو رہے ہیں حنا کہتے کہتے

دل و جاں فدا جس پہ کرتے ہیں یارو
وہ تھکتا نہیں بے وفا کہتے کہتے

ہوا کچھ نہ ان پر اثر تھک گیا میں
یہ دل ہے مرا آپ کا کہتے کہتے

گذر ہی گئی عمر ساری اسی میں
برا سنتے سنتے بھلا کہتے کہتے

محبت کسے راس آئی ہے دانشؔ
یہی وہ ستمگر گیا کہتے کہتے

مصرعہ طرح

☆

قطعہ بند

قیصرؔ حیدر دہلوی سے معذرت کے ساتھ

مرے اشعار میں اک حسنِ تابش یوں بھی ہے یوں بھی
مرے نغموں میں پنہاں سیلِ آتش یوں بھی ہے یوں بھی

ق

برادر زادۂ اخترؔ بھی ہوں شاگردِ اخترؔ بھی
مرا ملکِ سخن پر قبضہ دانشؔ یوں بھی ہے یوں بھی

کرم ہو یا کہ ہو جور و ستم ہر حال میں ان کی
ہمیں برباد کرنے کی تو سازش یوں بھی ہے یوں بھی

ہمارے گھر وہ آئیں یا کہ آئے یاد ہی ان کی
ہمارے واسطے ان کی نوازش یوں بھی ہے یوں بھی

اٹھائی جائے چلمن یا وہ اپنے آپ اٹھ جائے
جنونِ شوق کی اے دوست کاوش یوں بھی ہے یوں بھی

مری آنکھیں برستی ہوں کہ ساون کی گھٹا برسے
بجھانے کو یہ دل کی آگ بارش یوں بھی ہے یوں بھی

تجلی ان کے چہرے کی ہو یا ہو نورِ ایمانی
مرا دل تو منور آج دانشؔ یوں بھی ہے یوں بھی

☆

دنیا کی ہر کٹھنائی کو جھیلے سب ہیں ہم دونوں
کوئی سہایتا آپ سے آخر مانگے کب ہیں ہم دونوں

میلوں کو کیا دیکھیں ہم اب دھیان تو ہے بس منزل پر
جیون کی اس گاڑی کے دو پہیے جب ہیں ہم دونوں

میرے کھیت کی پھلواری ہے ڈیرا ڈالے دلّی میں
گھر آنگن اور پیڑوں کے تو مالک اب ہیں ہم دونوں

کوئی نہیں اگوارے اپنے کوئی نہیں پچھواڑے جب
الٹے سیدھے سپنے دیکھا کرتے تب ہیں ہم دونوں

بھکشا تو اک کوڑی نہ دی سارے جیون میں پھر بھی
راجا رانی کہتے ہیں دنیا کے رب ہیں ہم دونوں

☆

میں دردِ محبت سے اکثر بے تابی میں جب روتا ہوں
اشکوں سے خود دامن اپنا ساری رات بھگوتا ہوں

عشق میں کیسے میں یہ کہوں کہ صرف زیاں ہی ہوتا ہے
پانے کی امید بہت ہے عشق میں گر کچھ کھوتا ہوں

آہ نکلتی ہے منھ سے اور آنکھیں نم ہوجاتی ہیں
تخمِ محبت دل میں اپنے جب بھی کبھی میں بوتا ہوں

عشق میں تیرے کیسے بتاؤں کیسے گذرتے ہیں لمحے
تو ہی خیالوں میں ہوتا ہے پاس میں تیرے ہوتا ہوں

تیرے لہو کی سرخی دانشؔ جاتی نہیں ہے دامن سے
کہتا ہے یہ قاتل جب کہ صبح و شام میں دھوتا ہوں

☆

زعم میں جو اپنے وہ بدگماں رہا مجھ سے
آج اس کی آنکھوں میں التماس بھی دیکھا

یہ بھی اک حقیقت ہے دور مجھ سے ہو لیکن
بارہا تمھیں میں نے اپنے پاس بھی دیکھا

آج تک سمندر میں کھا رہا تھا غوطے جو
خالی اس کے ہاتھوں میں اک گلاس بھی دیکھا

کر رہا تھا دعویٰ جو آج تک خدائی کا
اس کا اپنی آنکھوں سے سروناش بھی دیکھا

جو خوشی زمانے کو بانٹتا رہا دانشؔ
سب نے اس کے چہرے کو آج اداس بھی دیکھا

☆

یہ حوصلہ ہے شبِ غم میں مسکرائیں گے
جلا کے دل کا دیا تیرگی مٹائیں گے

چمن کو دے کے لہو پھر بہار لائیں گے
پہاڑ توڑ کے ہم راستہ بنائیں گے

ہم ان کو نذر کریں گے متاعِ قلب و جگر
نقاب رخ سے کبھی وہ اگر اٹھائیں گے

ہمیں نہ دیکھنا جن کو کبھی گوارہ تھا
خبر کیا تھی کہ وہ برقِ نظر گرائیں گے

نہ جانے دیں گے کبھی تیرے میکدے کا بھرم
پیے بغیر ہی ہم پاؤں ڈگمگائیں گے

اے مے گسارو تمھیں جام و مے مبارک ہو
نگاہِ ساقی سے ہم تو نظر ملائیں گے

مری نگاہ پہ جس نے لگائی ہے قدغن
نظر کا میری وہی حوصلہ بڑھائیں گے

☆

یہ تعصب کے شعلے بجھا دیجیے
اور شمعِ محبت جلا دیجیے

آپ ہیں باغباں آپ ہیں پاسباں
آپ اجڑا گلستاں سجا دیجیے

خاک ہوجائے گا ان سے سارا چمن
اب دیے نفرتوں کے بجھا دیجیے

مل کے باہم سجائیں گلستاں کو پھر
پردہ بغض و حسد کا اٹھا دیجیے

یہ گلستاں جو دانشؔ ہے اجڑا ہوا
دے کے خونِ جگر لہلہا دیجیے

قطعات

☆

سرہانے کھڑا اپنے دامن سے کوئی ہوا دے رہا ہے مجھے ہلکے ہلکے
یہ محسوس ہوتا ہے رہ جاتے جیسے ہر اک غم مسرت کے سانچے میں ڈھل کے
یہ دل کش سماں اور یہ تاروں بھری شب یہ موسم حسیں اور یہ بادِ بہاری
مچل جائیں ارماں نہ سینے میں میرے تمنا بھرا جام دل کا نہ چھلکے

☆

دل میں کچھ پھول محبت کے سجائے رکھنا
شمعِ امید وفا یوں ہی جلائے رکھنا
تم ستم سے کبھی مایوس نہ ہونا دانشؔ
اس نصیحت کو مری دل سے لگائے رکھنا

☆

محبت میں برباد ہونا پڑے گا
ہمیں جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا
رہِ عشق میں اپنا سب کچھ لٹا کر
خبر کیا تھی تا عمر رونا پڑے گا

متفرقات

☆

نگاہ و دل میں بسا کے تم کو جو آج میں نے غزل کہی ہے
غزل کے ہر اک شعر میں تمہارے بدن کی خوشبو مہک رہی ہے
کسی کی آمد کے منتظر ہیں نگاہ و دل اس طرح سے دانشؔ
گماں یہ ہر لمحہ ہو رہا ہے کہ جیسے چلمن کھسک رہی ہے

☆

بھیک انصاف کی کون دے گا کوئی ایسا نہیں ہے زمیں پر
قاتلوں میں ہے منصف بھی شامل خون ہے اس کی بھی آستیں پر

☆

وطن کے رہنماؤ تم روش اپنی بدل ڈالو
دلوں میں جو تعصب ہے محبت سے کچل ڈالو

☆

پریشاں ہے دل مضطرب ہیں نگاہیں
وہ آئے نہ کچھ ان کا پیغام آیا

☆

مثالیں نہ دو قیس و فرہاد کی تم
جدا گانہ ہے عشق یارو ہمارا

☆

معطر فضا میں خراماں خراماں نسیمِ صحر میرے گھر آ رہی ہے
اٹھو اب تو بیدار ہوجاؤ دانشؔ کہ سرخی شفق کی نظر آرہی ہے

☆

بابر کی یادگار کو سرجو میں ڈال کر
جمہوریت کے خون سے بھارت کو رنگ دیا

☆

اب تو ہنر ہے عیب بھی دنیا میں دوستو
اب تو فریب و کذب کو فن کہہ رہے ہیں لوگ
جس دیش میں محال ہے جینا بھی ہم نشیں
کس طرح اس کو اپنا وطن کہہ رہے ہیں لوگ

☆

بتاؤ کس پہ بھروسہ میں اب کروں دانشؔ
یہ میرا دوست بھی لگتا ہے آدمی اس کا

☆

جو عشاق تجھ پر صنم مر رہے ہیں
مری سنتوں پر عمل کر رہے ہیں

حدیثِ محبت انھیں کیا سنائیں
جو نامِ محبت سے ہی ڈر رہے ہیں

☆

تیرے چہرے سے یہ غازہ جب کبھی ڈھل جائے گا
راز پنہاں اس گھڑی تیرا سبھی کھل جائے گا

☆

غیروں کے اشاروں پہ یہ جو ناچ رہے ہیں
پامال ہوا جاتا ہے کعبہ کا تقدس

☆

زندگی کیا ہے حقیقت میں بتا دوں دانشؔ
ایک بجلی سی چمک اٹھی اور تاریکی

☆

وہ تو کافر ہے اسے لوگ برا کہتے ہیں
تم تو مسلم ہو تمھیں لوگ یہ کیا کہتے ہیں
جس سے ہوسکتی نہیں کارِ خدائی یارو
آج اس بت کو بہت لوگ خدا کہتے ہیں

☆

عبادت بے ریاضت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
کہ سونا آگ میں تپ کر گلے کا ہار ہوتا ہے

☆

کل خبر یہ بھی تو لکھی جائے گی اخبار میں
عشق ہے گھر میں مقید حسن ہے بازار میں

گر یہی حالت رہی گھر کی ہمارے دوستو
کل ہماری بیٹیاں جائیں گی بیر بار میں

☆

اک بار دیکھ لیتے اگر آپ ہمیں بھی
آنکھوں سے عدو کی کبھی عینک اتار کے

☆☆

نذرانۂ عقیدت

جمیلہ ریاض بنت اخترؔ مسلمی

پھول سا پیکر ہے تیرا نازِ دامانِ چمن
تجھ پہ جان و دل فدا ہو اے مری سیمیں بدن

تیرا چہرہ ہے کہ جیسے جھیل میں رقصاں کنول
جیسے شاعر کا تصور جیسے شاعر کی غزل

دل کی وسعت کو تری دریا بھی پا سکتا نہیں
ایسا ہے کردار تیرا اے مری زہرہ جبیں

زلف ہے کالی گھٹا اور ہونٹ ہیں جامِ شراب
مرمریں تیرا بدن رخسار ہے جیسے گلاب

تم سمجھ سکتی نہیں اپنی حقیقت اپنے آپ
صندلیں تیرے بدن سے اُف لپٹ جائے نہ سانپ

نغمگیں آواز تیری جیسے جھرنے کی صدا
اور اس پر یہ کہ کوئل کی بھی ساری ہے ادا

حسن کی ملکہ تجھے کہتا ہے یہ سارا جہاں
ہے دعا دانش کی تجھ سے دور ہو آہ و فغاں

ہے ادا طاؤس کی اور تجھ میں آہو کا چلن
کیوں نہ جھک جائیں ترے قدموں میں یہ کوہ و دمن

سرگیں آنکھوں میں تیری ڈوب جاؤں نہ کہیں
اس سے بہتر ڈوبنے کے واسطے کچھ بھی نہیں

پھول کی لڑیاں تو جھڑتی ہیں تری گفتار میں
تیرا ثانی ہو نہیں سکتا کوئی سنسار میں

نرگسی آنکھیں ہیں یہ یا چشمِ آہو ہیں تری
یا کسی مے خانۂ رنگیں میں صہبا ہو بھری

تم کسی مندر کی دیوی ہو بہشتی حور ہو
ہے دعا میری کہ تم سے رنج و غم سب دور ہو

جب سے ہے اوجِ ثریا پر تمہارا یہ قدم
حاسدوں کے دل پہ ٹوٹا جیسے کوہِ رنج و غم

زلف میں افشاں کہ جیسے کہکشاں ہو ہو بہو
جس سے بل کھاتی ہوئی آتی ہو موجِ مشک بو

تیرے رخ پر ہے نچھاور ماہ و انجم کی ضیاء
حسن کا پیکر ہے تو میری نظر میں با خدا

تیرے قدموں کو تو چھونے کو ترستی ہے ہوا
رشک کرتی ہے حیا بھی تو ہے کتنی با حیا

یہ جمالِ حسن تیرا اُف ہے کتنا دیدنی
پھیکی پھیکی سی ہے خورشید و قمر کی روشنی

تجھ سے ہی تو آبشاروں نے یہ سیکھا ہے چلن
تیرے ہی انداز پہ بہتی ہے یہ گنگ و جمن

تیرے چہرے سے عیاں اُف کس قدر یہ نور ہے
ماہِ کامل کی ضیاء اس نور سے کافور ہے

جب چلی بادِ صبا چھو کر ترے رخسار کو
پا لیا ہو نکہتِ گل کے وہ جیسے پیار کو

چاند تو ہے اور میں اس چاند کا ہالہ ندیم
تجھ میں ہر انداز پنہاں ہو جدیدو یا قدیم

دیکھ کر یہ حسن اہلِ خانہ کو آیا خیال
نام رکھ دیجے جمیلہ ہے یہ سچ پیکر جمال

کیوں نہ ہوں قرباں دل و جاں اس لب و رخسار پر
مر مٹا دانش فراہی بس اسی کردار پر

پسماندگانِ اخترؔ مسلمی کے نام

اپنے سینے پہ غم کا بار نہ کر
دامنِ صبر تار تار نہ کر

اپنی آنکھوں کو اشک بار نہ کر
جانے والے کا انتظار نہ کر

رونے دھونے سے فائدہ کیا ہے
روح کو اس کی بے قرار نہ کر

بیت جائے گی زندگی ساری
اے نظر اس کا انتظار نہ کر

حق میں کر اس کے مغفرت کی دعا
جانِ من دل کو بے قرار نہ کر

میں نے مانا کہ دل کی ڈھارس تھا
تذکرہ اس کا بار بار نہ کر

آ کے دنیا سے جو چلا جائے
اس کی یادوں سے دل فگار نہ کر

بات بس کی ترے نہیں دانشؔ
فیضِ اخترؔ کا تو شمار نہ کر

استاد اخترؔ مسلمی کی یاد میں

مرثیہ

دنیا میں سب کو چھوڑ کے اخترؔ چلا گیا
یعنی کہ اک عظیم سخنور چلا گیا

شاعر بھی باکمال تھا اور تھا خدا شناس
ملکِ سخن سے علم کا پیکر چلا گیا

مسند نشینِ بزم تغزل کہیں جسے
اس انجمن سے ہائے وہ اٹھ کر چلا گیا

محفل پہ آج چھائی ہے ہر سمت خامشی
محسوس ہو رہا ہے کہ رہبر چلا گیا

پسماندگان روتے ہیں یہ کہہ کے آج تک
ہم کو اکیلا چھوڑ کے کیوں کر چلا گیا

اہلِ سرائے میر ہیں مغموم کس لیے
جو اس کا اصل گھر تھا اسی گھر چلا گیا

شہرِ سخن میں جس کا ابھی تک تھا احترام
افسوس وہ عظیم سخنور چلا گیا

تا عمر اس کی یاد رلاتی رہے گی خون
ایسا وہ زخم دل پہ لگا کر چلا گیا

کیا اٹھ گیا ہے دہر سے وہ صاحبِ کمال
جیسے تلامذہ کا مقدر چلا گیا

لکھ کر وہ حمد بن گیا جنت مقام بھی
گویا زمیں سے اٹھ کے فلک پر چلا گیا

دانشؔ تو قدر ہوتی ہے مرنے کے بعد ہی
سر پیٹتے ہیں لوگ سخنور چلا گیا

جشنِ جمہوریہ

اُف رے ہندوستاں کیا ترا ہے چلن

بہہ رہی ہے جہاں آج گنگ و جمن
کیسے لوٹا گیا ہے وہاں کا چمن
چشمِ حیرت سے تکتے ہیں کوہ و دمن
مادرِ ہند کا کیا یہی ہے چلن

اُف رے ہندوستاں کیا ترا ہے چلن

زندگی بن گئی ایک کوہِ گراں
چشمِ انسانیت سے ہے آنسو رواں
پھول کمہلا گئے ہیں خزاں ہی خزاں
آگ لگ ہی گئی باغباں ہے کہاں

اُف رے ہندوستاں کیا ترا ہے چلن

عصمتوں کو یہاں پر لٹایا گیا
بے کسوں کو یہاں پر مٹایا گیا
خونِ آدم یہاں پر بہایا گیا
جشنِ جمہوریت بھی منایا گیا

اُف رے ہندوستاں کیا ترا ہے چلن

دانشؔ فراہی

اردو شاعری میں روایت کی پاسداری اور روایت سے بیزاری دونوں کا ظہور ہوا، اب کس کو عروج ہوا اور کون غروب ہوا زمانے نے اس کا فیصلہ ایسا کیا کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ دانش فراہی کی خوش نصیبی ہے کہ ان کی متاع میں روایت کے ساتھ وراثت کی دولت بھی ہے۔

محمد عمیر الصدیق ندوی

پیدائش: ۲۰ / دسمبر ۱۹۴۹

وطن کی عظمت بڑھائے گا جو فدائے ملت کہیں گے جس کو
کبھی یہ دیکھیں گے آپ دانشؔ کہ وہ یہی خاکسار ہوگا